از حرف تا بہ حرف

محمد عصام عظیم آبادی

به طرف نظر
آقای ادیب مجیب الہدی
با تحفہ و تشکر
شمیم ہدی اند سیم
طرفہ دولت این نثر انبار کہ باشد
محمد صمصام عظیم آبادی
A 78/3
گلشن اقبال
کراچی
پاکستان
28/9/84

احسن عباسی

از حرف تا بہ حرف

از حرف تا بہ حرف رسیدم بہ گلشنے
در کیفِ بے حساب نمازِ حروف بود

محمد عصام عظیم آبادی



تعداد اشاعت ——— ایک ہزار
سال اشاعت ——— ۱۹۸۴ء
مطبوعہ ——— مشہور آفسٹ پریس۔ کراچی
ترتیب و تزئین ——— محمود اختر کانپوری
قیمت ——— ساٹھ روپے
ناشر ——— شمیم پبلیکیشنز
اے/۷۸، بلاک نمبر ۲
گلشن اقبال۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

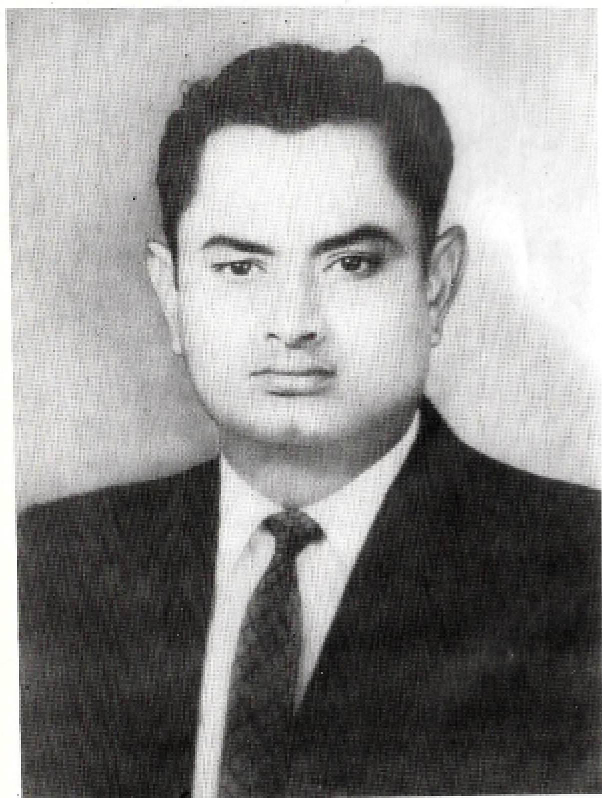
فہرست

غزلیات

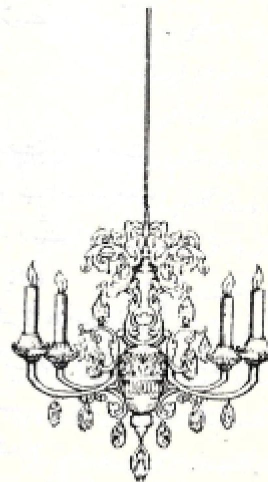
تضمین :-

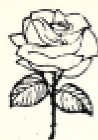
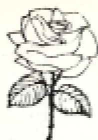
نظم

قطعات



نگارِ حرفِ جاں آید ہمہ رنگیں چو پیمانہ
عصامِ خوشنوا سازد کتابِ نظمِ میخانہ



"سرمایهٔ ما"

هر که سرقه کند این دولت و سرمایهٔ ما
هیچ حاصل نه کند عقربِ بے مایهٔ ما
لیکن آں شخص که شبخوں زده بر آیتِ ما
موردِ قتل شود دفترِ بے سایهٔ ما

—— ✶ ——

بیادِ آں

اے یادگارِ صبحِ درخشنده زنده باد
شامِ حسیں ما اخترِ تابنده زنده باد

یادش بخیر با دلِ فرخنده بوده ایم
در قلبِ ما تپیده درخشنده زنده باد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رئیس امروہوی

حرفِ اوّل

برصغیر پاک و ہند میں فارسی شعر و ادب کا سلسلہ متعدد ادوار سے گذرا اور ہر دور میں اس نے اپنی انفرادیت اور تشخص کو برقرار رکھا ہے۔ انگریزی عہد کے آغاز کے بعد برصغیر میں فارسی زبان کا رواج سرکاری زبان کی حیثیت سے ختم ہوگیا اور اس کی جگہ انگریزی اور کسی حد تک اردو نے لے لی۔ تاہم فارسی کا سلسلۂ شاعری برابر جاری رہا اور دورِ فرنگ میں بھی غالب، شبلی، حالی اور اقبال جیسے بلند پایہ اور منفرد خصوصیات رکھنے والے فارسی شعراء وجود میں آئے۔ جناب محمد عصام اسی قافلۂ شعر و ادب میں شامل ہیں۔ اور ان کا فارسی مجموعۂ کلام "از حرف تا بہ حرف" نغز گویانِ پاک و ہند کی فارسی شاعری کی تازہ مثال ہے۔ "از حرف تا بہ حرف" کا عنوان خود بہت خیال انگیز ہے۔ خود شاعر نے اس کی توجیہہ اس طرح کی ہے:

از حرف تا بہ حرف رسیدم بہ گلشنے

در کیفِ بے حساب تمازِ حروف بود

یہ مجموعہ حمد، نعت، منقبت، غزلیات، قطعات اور منظومات پر مشتمل ہے۔ محمد عصام صاحب فارسی شاعری میں کلاسیکی رجحان کے نمائندے ہیں اور ان کے اشعار و ابیات میں اساتذہ کے رنگِ سخن کی جھلک نمایاں ہے۔ مجموعہ کا آغاز حمد کی ایک پُر از عقیدت نظم سے ہوتا ہے:-

اے خدائے دلپسند پرودل تو از دو دل پسند

از شرارِ نورِ تو ایں آفرینش ارجمند

اے خدائے بحر و بر عادل قوی قادر توئی

اے خدائے لم یزل تو خود کریم دردمند

حمد بندگی کے سچے جذبات اور عبودیت کے لطیف احساسات سے معمور ہے
حمد کی نغمہ سرائی کے بعد نعت کا زمزمہ گونجتا ہے۔

جاں را اشارہ می دہی

دل را شرارہ می کنی

دریائے بے پایانِ ما

پیدا کنارا می کنی

تو مرحبی تو محرمی

تو یثربی تو رحمتی

یا رحمۃ للعلمیں

یا رحمۃ للعلمیں

اس نظم کی نغمگی موثر اور انداز بیان دلکش ہے۔

در ہستیٔ بے جانِ من

در کشتیٔ ایمانِ من

در وعدہ و پیمانِ من

در عشقِ صد آسانِ من

چوں رحمتِ عالم شدی

کارے ندارم از غمی

یا رحمۃ للعٰلمیں

یا رحمۃ للعٰلمیں

یہ مجموعہ نعت کی چند کیف انگیز نظموں پر مشتمل ہے۔ عصام کی روح عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے اور اس سرشاری کے عالم میں بے ساختہ ان کی زبان پر نعتِ رسالت مآب کے زمزمے گونجنے لگتے ہیں۔ نعتِ سرورِ کائنات کے بعد اشہبِ قلم کا رُخ منقبت کی طرف مڑتا ہے :

حضرتِ صدیق آمد باوفا و پارسا
سابقین الاولیں چوں لالۂ رنگیں قبا
سالکِ راہِ طریقت نازشِ اربابِ دیں
در نگہ معروف و رنگیں در نفس شعلہ نوا

پھر فرماتے ہیں کہ :

حضرتِ فاروقِ اعظم اے شہِ والا نشیں
اے خلیفہ اے امام اے داعیِ دینِ متیں
اے کہ تو فاروقِ اعظم درمیانِ حق و شر
اے مجاہد اے دلاور عظمتِ سیفِ مبیں
ایں عصامِ بے نوا آید بہ تو آخر شہا
یک نگاہِ لطف باشد نازِ پرور نازنیں

حضرتِ عثمان غنیؓ کی شان میں فرماتے ہیں :۔

تو نظامِ زندگی را یک بہارِ با حیا
تو شرارِ زندگی را شعلۂ رنگیں نوا

یک نگارِ باوفا و باصفا و باغنا
در گلستانِ عقیدت یک نہالِ حسنِ نا

اے غنیِ محتشم عظمت دہِ انساں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثماں توئی

اور ملاحظہ ہو :

یک شجیعِ تیغ زن نامش علیِ مرتضیٰ
یک جریِ رزم آرا نازشِ نازِ وغا
در بسالت شیر افگن در اطاعت حسن ساز
در خبر انوارِ تاباں در نظر ناز و نیاز

پھر حضرتِ غوثِ اعظمؒ کی مدح میں اشعار ہیں۔ لبریزِ عقیدت اور معمورِ جذبات۔ یہاں سے غزل کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ عصام صاحب کا ذوقِ سخن کلاسیکی ہے۔ وہ اساتذہ کی روایت پر بڑی سختی سے عامل رہتے ہیں۔ مثلاً مرزا غالب کی مشہور غزل ہے :۔

آغشتہ ایم بر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

عصام صاحب کا مطلع ہے :۔

ما خندہ ہائے گلشنِ زیبا نوشتہ ایم
رقصِ شرر ز سرخیِ غازہ نوشتہ ایم
گل زخم زخم بودہ چمن لخت لخت شد
از خود فشارِ گریۂ غنچہ نوشتہ ایم

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد عصام کا ایک خاص اندازِ بیان ہے اور

جب تک ان کے مخصوص طرز ادا کو نہ سمجھا جائے ان کے کلام کی حقیقی نوعیت سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں۔

شعلۂ حسن کجا وعدۂ دیدار کجاست
اے نگارِ شبِ غم چشمِ فسوں کار کجاست
دردِ آں درد کہ از دوست نہ خواہد درماں
در جہاں مرہمِ زخمِ دلِ غم خوار کجاست
چشمِ میگوں شدہ گلرنگ شرابے دارد
رقصِ بسمل بہ سرِ خنجرِ خونخوار کجاست

یہ غزل حافظ شیرازی کے رنگ میں کہی گئی ہے۔ مرزا بیدل کی مشہور غزل ہے:

"چہ قیامتی کہ نمی رسی زکنارِ ما بہ کنارِ ما"

عصام اس کے تتبع میں کہتے ہیں کہ:۔

تو نگارِ زہرہ جبیں رسی بہزار قرب و جوارِ ما
تن و جانِ من بہ نثارِ تو ہمہ قلب قلبِ فگارِ ما
ہمہ راز دردِ دلم بگو ہمہ نازِ دامِ فریب کن
ہمہ خوابِ خوابِ دوامِ تو ہمہ خواب دامِ حصارِ ما

ایک غیر مردّف غزل ملاحظہ ہو:۔

آید ہمی آں نازنیں چوں تابشِ رنگِ گہر
در لمعۂ انوارِ خود چوں نغمۂ شام و سحر
چوں راقمِ تصویرِ دل ہم موجِ حسنِ کہکشاں
آں کاتبِ تقدیرِ شب بر کتبۂ لوحِ بشر

ذیل کی غزل بھی اساتذہ کی پسندیدہ بحر ہی میں ہے:۔

"جعدِ مشکیں کہ بہ پائے بتِ طناز رسد"
ساقِ سیمیں شدہ گل رنگ پہ شہناز رسد
"ہر کہ آمد بجہاں نقشِ خرابی دارد"
در خرابات کسے نیست بہ اعزاز رسد

یا

دریں حالِ پریشانی سخن را درمیاں کردی
نقابِ حسنِ خاموشی زبانِ گلستاں کردی
چراہم چشمِ عنّابی سوادِ کہکشاں کردی
چراحسنِ نگارِ دل نہاں اندر نہاں کردی

زبانِ گلستاں کو نقابِ حسنِ خاموشی اور چشمِ عنّابی کو سوادِ کہکشاں سے تعبیر کرنا محمد عصام صاحب کے طرزِ بیان کی خصوصیت ہے۔ آپ ان کے پورے کلام پر نظر ڈال جائیے اس قسم کی تراکیب جا بجا نظر آئیں گی۔ وہ ان تراکیب کے موجد ہیں۔ غزلیات کے ضمن میں ایک دلچسپ تضمین بھی ہے۔ امیر خسرو کا مشہور شعر ہے:۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

اس کے مصرعہ ثانی کو جناب عصام نے تضمین کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

تو نازِ حسن داری ہم شدتِ نگاہے
ایں گیسوئے مسلسل ہم خطِ سبزہ گاہے
ایں لرزشِ نزاکت ایں سنبل و گیاہے
ایں نالہ و فغانے ایں آہِ صبح گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

لرزش، نزاکت اور سنبل و گیاہ شاعری کے پسندیدہ استعارے ہیں۔ رقصم والی
غزل نہ صرف قوالوں بلکہ تمام خوش ذوق حضرات کے وردِ زبان ہے۔ انہوں نے بھی
اس بحر میں طبع آزمائی کی ہے فرماتے ہیں :-

زچشمِ نازِ بدمستی، بصد بیمار می رقصم
سکوں در دل نگر دارم بہ حکمِ یار می رقصم
تبسم ہائے معشوقے کند فتنہ بپا پیہم
من بیدل بہ سرمستی سرِ بازار می رقصم

اور وہ رودکی کی مشہور غزل.....!

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی

بہت سے شعرا نے اس سرزمین کو سرسبز کیا ہے۔ محمد عصام نے بھی اس بحر میں طبع
آزمائی فرمائی ہے :-

نازِ خوابِ کہکشاں آید ہمی
فخرِ حسنِ مہوشاں آید ہمی
یادگارِ نغمۂ جادوئے دوست
بازخوان و نغمہ خواں آید ہمی

محبوب کو نازِ خوابِ کہکشاں اور فخرِ حسنِ مہوشاں سے تعبیر کرنا شاعر کے اندازِ خاص
کی طرف اشارہ ہے۔

آخر میں انتخاب کے عنوان سے منظومات پیش کی گئی ہیں۔ مناسب ہے کہ ان
معروضات کا خاتمہ خود عصام صاحب کے ایک مقالے کے اقتباس پر کیا جائے، جس کا
عنوان ہے "پاکستان میں فارسی۔ جواز و دلائل" لکھتے ہیں کہ :-

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فارسی درآمد شدہ از ایران؛
افغانستان؛ ماوراء النہر ہے۔

اور اس درآمدی تعلق کا سلسلہ اورنگ زیب عالمگیرؒ تک قائم
رہا۔ اس کے بعد خفیف تر ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا۔
اس کے بعد درآمد کردہ فارسی نے افغانستان، بلخ، بدخشاں
سمرقند، یارقند، بخارا نیز ترکی کے چند علاقوں اور برصغیر
پاک و ہند میں مقامی، لسانی، جغرافیائی، معاشرتی اور دوسرے
معروضی اثرات قبول کرتے ہوئے نئے اوطان کی پوشاکیں زیبِ تن
کیں۔ لہٰذا اس کا (فارسی زبان کا) مزاج بدلا۔ چولا تو وہی رہا
مگر مقامی حالات و کوائف کا تشخص ابھر کر سامنے آیا۔ اب فارسی
فقط متاعِ ایران ہی نہ رہی بلکہ جنسِ عام بنکر کوچہ و بازار
میں آگئی۔ اہلِ زبان صرف ایرانی ہی نہ رہے بلکہ جہاں جہاں
بھی اس نے رواج پکڑا وہیں خود اہلِ زبان پیدا ہوتے رہے
طوالت کے خوف سے مثالیں پیش نہیں کی جا رہی ہیں۔ مگر ایک
طائرانہ نگاہ اس حقیقتِ محکم تک پہنچا دے گی کہ مرزا عبد القادرؒ
بیدل، امیر خسرو، ابوالفضل، فیضی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا
حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اور دیگر مشاہیر سے لے کر گرامی
جالندھری، غنی کاشمیری اور علامہ اقبال، صوفی تبسم اور حفیظ جالندھری
تک فارسی کی قندیلیں روشن ہیں"

جنابِ عصام صاحب نے فارسی کی مقامی حیثیت کی اہمیت پر جو روشنی ڈالی ہے
اس سے انکار ممکن نہیں۔ خود ان کے مجموعۂ کلام میں مقامی اثرات پوری طرح کارفرما ہیں۔ ایرانی
شاید اسے پسند نہ کریں مگر ہمیں تو اپنا ہی فارسی لہجہ پسند ہے۔

رئیس امروہوی
۲۲ اگست ۱۹۸۲ء

آہنگِ فارسی،
عصام،
اور ہمارا کلچر

ہمارے کلچر اور ہماری زبان کا فارسی پر اس قدر انحصار ہے کہ اگر فارسی کا عنصر غائب ہو جائے تو ہمارے یہاں بہت ہی تھوڑا سرمایہ رہ جائے گا جس کی بنا پر ہم اپنے لٹریچر کی عمارت کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ عربی یقیناً ہمارے مذہب کی زبان ہے۔ مگر ہمارے کلچر اور ہمارے لٹریچر کی زبان پھر بھی فارسی ہی ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ہم آجکل اپنے بچوں پر کتنا ظلم کر رہے ہیں کہ ان کو فارسی سے دور کرتے جا رہے ہیں۔ فارسی کی مدد کے بغیر وہ خود اپنے دل کی آواز کس طرح سن سکیں گے؟ اور جب دل کی قوتِ گویائی سلب ہو جائے اور حسیاتِ لطیفہ کو اظہار یا پھر ابھرنے کا موقع نہ ملے، تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟

جناب عصام نے اپنے خوبصورت کلام کا یہ مجموعہ شائع کر کے بہت بڑی خدمت کی ہے۔ انھوں نے ایک بار پھر واضح کر دیا ہے کہ ہمارے یہاں فارسی ہنوز زندہ ہے اور ہم اس کی اہمیت اب بھی محسوس کر رہے ہیں۔ خدا کرے ان کی کوششوں سے یہ جذبہ مزید فروغ پذیر ہوتا رہے۔ میں ان کی قادر الکلامی کا قائل ہو چکا ہوں۔

پیر علی محمد راشدی

۶ رمئی ۱۹۸۳ء

حکیم نثار احمد علوی (علیگ)

نغماتِ عصام

سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے برصغیر پاکستان و ہند میں اٹھارہویں صدی عیسوی تک فارسی زبان کا سکہ رائج تھا، تہذیب و تمدن، شعر و ادب، رسم و رواج سب پر فارسی چھائی ہوئی تھی۔ تفصیل میں جائیے تو معلوم ہوگا کہ اس کے گہرے اثرات آج بھی نمایاں ہیں اور عرصہ دراز تک فارسی تصنیف و تالیف کی زبان رہی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زبان کی پشت پر صدیوں کی تاریخ تھی اور اس کے سامنے نہ جانے کتنی تہذیبی قوتیں شکست و ریخت ہوئیں اور متعدد قوموں کی معاشرت کا اختلاط، ان کے فلسفوں کا اختلاف، اُن کی نسلی اور جغرافیائی خصوصیتوں کا انعکاس اور سیاست اور مدنیت کا تصور، فارسی کے فکر و عمل پر اثر انداز ہوا۔ اس لئے اس کے اسالیب میں تنوع اور اظہار و ابلاغ کی نیرنگی پوری قوت سے پیدا ہو گئی۔ یہی سبب ہے کہ مغل دور کی شائستگی نے فارسی کو اپنے حکیمانہ افکار و خیالات اور ادبی آثار کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ لیکن جب اٹھارہویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی سیاسی حالت کمزور ہونے لگی تو فارسی پر بھی اس کا اثر پڑا اور جب تہذیب و تمدن کا نازک پودا افلاس کی یبوست اور خوف و خطر کی تمازت کا مقابلہ نہیں کر سکا تو فارسی زبان و ادب بھی ان بحرانی حالات میں ٹھٹھرنے لگے لیکن جب دربارِ اودھ میں خوشحالی اور قدردانی کا دور دورہ ہوا تو ایران سے کثیر تعداد میں ادیب و شاعر ترک وطن کر کے آگئے اور فارسی ادب پر دوبارہ بہار آگئی اور اُن آنے والوں نے ہی اس دور میں فارسی کی شمع فروزاں رکھی۔ پھر اس کے بعد جو دور

آیا کہ یہی فارسی کے شعرا ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرنے لگے کیونکہ اب برصغیر کی مقامی زبانیں، اُردو اور ہندی ترقی کرنے لگی تھیں لیکن ان شعرا نے فارسی رموز و علائم، اس کے افکار و مضامین کو اس طرح اُردو میں سمو دیا کہ ان کا رابطہ عوام سے ہو گیا اور اردو ادب اور شاعری میں بھی وہی حکایتیں اور شکایتیں چھا گئیں حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فارسی زبان کی تعلیم تھی جس کی بے نظیر سادگی، بے مثل رنگینی، دل آویز شیرینی اور حقائق سے لبریز بلاغت نے برصغیر کے اہلِ دانش کو متاثر کیا اور برصغیر میں ایک اسلامی ہندی کلچر کا ایسا آمیزہ تیار کیا جس کی نظیر دنیا میں بہت کم ملتی ہے۔

ہمارے قومی کلچر اور ثقافت پر ایران کے قومی کلچر اور ثقافت کا بھرپور اثر آج بھی ہے جس طرح فارسی کے ادب اور شعر سے ہم ان کی ثقافت کا تعین کر سکتے ہیں اسی طرح ہم اُردو ادب سے اپنے قومی کلچر کا تعین بھی کر سکتے ہیں۔ فارسی کا سرمایۂ شعر و شاعری بڑا متنوع ہے اور اس میں انداز و بیان کے اتنے عجیب و غریب زاویے ہیں کہ کسی اور زبان میں مشکل سے نظر آتے ہیں۔ غزل، قصائد، مثنوی اور رباعی وغیرہ کا جتنا وافر ذخیرہ فارسی زبان میں موجود ہے اس سے ہر شخص واقف ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس سے شعرائے ایران کے نہ صرف ذوقِ شعری پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وسعتِ بیان اور قدرتِ شعر گوئی کے لحاظ سے انھیں کتنا بڑا مرتبہ حاصل تھا۔

میری نظر میں فارسی اُردو زبان کی روایت ہے۔ اردو ادب کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے سماج اور نظامِ تعلیم میں فارسی صوفیا کا کلام اور ان کے افکار، رسائل اور تصانیف کی صورت میں مدت دراز تک مروج رہے ہیں اور اُردو شاعروں نے بڑی آسانی کے ساتھ اپنے احساسات و خیالات کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ نکالے ہیں۔ بقول غالب ؎

ہوں گرمیٔ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج

آج ہم فارسی زبان کو فراموش کر چکے ہیں حالانکہ وہ ہماری روایت ہے اور

تھی اب یہ حال ہے کہ ہم نہ تو اپنی روایت سے آشنا ہیں اور نہ ہم میں کسی اور روایت کو اپنے میں سمونے کی صلاحیت ہے۔ اسی لیئے اُردو ادب میں اب ٹھوس ادب اور عہد ساز شاعروں اور ادیبوں کا فقدان ہے۔ سچی بات تو یہ ہے روایت کے معنی علم اور تہذیب کی وہ تمام استعداد ہے جو ماضی سے انسان کو حاصل ہوئی ہے۔ یعنی روایت وہ روح ہے جو عصرِ رواں میں دھڑکتی ہے اور اس روح کا ادراک اپنے گرد و پیش پر نگاہ رکھنے سے ہی ہو سکتا ہے اس کے لئے ایک پس منظر لازمی ہے۔ یہی پس منظر وہ علم فراہم کرتا ہے جو بقدرِ توفیق تعلیمی اداروں کو میسر آتا ہے۔ فارسی کی روایت کو قائم رکھے بغیر ہم اُردو ادب کے مستقبل کو سنوار نہیں سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں فارسی زبان سے بے اعتنائی نے نئی نسل کو معیاری ادب اور معیاری علم پیش کرنے سے محروم رکھا ہے۔

موجودہ معاشرے میں روایت کو زندہ رکھنا جہاد سے کم نہیں ہے مجھے مسرت ہے اور عصام صاحب لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے یہ فرض بحسن و خوبی انجام دینے کی کوشش کی۔ وہ کم و بیش پندرہ سال سے فارسی میں شاعری کر رہے ہیں لیکن چھپنے چھپانے سے گریز کرتے رہے ہیں اور یہ مجموعہ بھی چند احباب کے اصرار پر طبع کرانے پر تیار ہوئے ہمارے معاشرے میں جب سے مغربی تہذیب داخل ہوئی ہے ہمارا روایتی معاشرہ بکھر رہا ہے ہمارے عقائد خراب ہو رہے ہیں ہمارا اخلاق بگڑ گیا ہے اور معاشرتی روایت تیزی سے رو بہ زوال ہے۔ اب تو ہر شخص یہ کہتا سنائی دیتا ہے کہ قدریں بدل گئی ہیں اور روایات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے ایسے چند افراد جو پرانی وضع داری اور روایت کے نام لیوا ہیں اس معاشرے میں اجنبی بن کر رہ گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عصام صاحب کا فارسی میں شاعری کرنا بھی ایک اجنبی پن لگتا ہے۔

عصام صاحب کب پیدا ہوئے، کہاں تعلیم پائی، کہاں کہاں رہے، کیا کیا کرتے رہے، کس کس سے فیض حاصل کیا، کون کون سی زبانیں سیکھیں، ہمارے اور آپ کے

دل میں یہ خیالات ضرور آ رہے ہیں، اور ان کا آنا فطری ہے۔ یہ تو اُن کے سوانح نگار بتا سکتے ہیں یا وہ خود بتائیں، میں تو اُن سے اُن کی شاعری کے واسطے سے متعارف ہوں اور اُن کے کام اور کلام سے ان کو جانتا ہوں۔ ہاں یہ مجھے ضرور معلوم ہے کہ عصام صاحب ہندوستان کے مشہور صوبے بہار سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی بہار جس کا صدر مقام عظیم آباد ہے اور جہاں مولانا سید سلیمان ندوی، سید عبدالغنی شمس، پروفیسر اجتبیٰ حسین رضوی، قاضی عبدالودود، پروفیسر شمس الضحیٰ، سید جمیل مظہری، پروفیسر کلیم الدین احمد جیسے اہلِ قلم پیدا ہوئے اور مرزا عبدالقادر بیدل، فرد عظیم آبادی، احقر بہاری، شاد عظیم آبادی، انجم مانپوری، بتاں عظیم آبادی، لالہ مہتاب رائے تاب جیسے شاعروں نے جنم لیا۔

عصام بھی دلچسپ انسان ہیں جو چہرہ مہرہ سے شاعر لگیں نہ ادیب، نہ تین زبانوں کے ماہر، ہاں اُستاد ضرور معلوم ہوتے ہیں، مجھے پہلی ملاقات میں انھیں فارسی شاعر جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک پاکستانی استاد فارسی کا شاعر کیسے ہو گیا۔ اس زمانے میں تو اُستاد کو درس و تدریس سے بھی دلچسپی نہیں رہی ہے وہ تو مدرسے سے لے کر جامعہ تک زیادہ تر سیاست کی اکھاڑ پچھاڑ میں مصروف رہتا ہے اگر آپ عصام سے ملیں تو اُن کی سادگی، خلوص اور جذبہ اخوت دیکھ کر یہ اندازہ نہ کر پائیں گے کہ یہ شخص انفرادیت کا حامل ہے۔ فارسی اور ترکی زبان سے اس کو عشق ہے یہ ایسی صہبائے تند ہے سر چڑھ کر بولتی ہے کہ جس سے بھی ملاقی ہوا اسے اپنے فارسی اشعار سُنا کر داد وصول کرلے۔ اس کی فارسی زبان اتنی آسان ہے کہ اُردو جاننے والا بھی بہ آسانی اس سے لُطف اندوز ہوتا ہے اور اس کو دیکھ کر کہہ اُٹھتا ہے ؎

میں حقیرِ گدایانِ عشق را کایں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

حقیقت تو یہ ہے کہ عصام کے دادا عبداللطیف شفا اور اُن کے نانا نواب امداد امام اثر اُردو اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر گزرے ہیں اور آج بھی اُن

کے قریبی اعزّہ میں ڈاکٹر اختر امام سری لنکا میں اور اصغر مجیبی کا ہندوستان میں اُردو اور فارسی ادب کے نامور شعرا میں شمار ہوتا ہے۔

جب کسی شاعر کے دل کی کشتی، طویل اندیشوں اور خاموش فکر کے گرداب سے گزرتی ہے تو یکایک اسے ایک منارۂ روشنی نظر آتا ہے جس کی تابش شعر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس طرح ادب اور شاعری کے شاہ کار اور انمول خیالات محض ایک حادثہ یا اتفاق بن کر سامنے آجاتے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

Literature that is of
lasting value is an accident.

عصام صاحب کی فارسی شاعری پاکستان کے موجودہ دور میں بلاشبہ ایک اتفاق اور حادثہ کی صورت میں متشکل نظر آتی ہے۔ میں راہِ شعر و ادب میں خواہ وہ ایک کتاب کی صورت میں ہو یا ایک سطر کی صورت میں، ہمیشہ کسی "حادثہ" کی تلاش میں رہتا ہوں، اس کو تجلّی، الہام، القا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے جس شاعر کی نغمہ سرائیوں سے یہ رنگ چھا جاتا ہے کہ اس کے اندر ایک روشنی ایک درد ایک جنوں اور ایک اظہار کی بے چینی نظر آتی ہے، میں اس شاعر کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہوں اور مجھے یقین آنے لگتا ہے واقعی جمود نہیں ہے اور ابھی اہلِ دانش، اہلِ نظر، اہلِ دل سب کے سب زندہ و قائم ہیں۔ میری یہ خوش قسمتی کہیے یا خدا کی دین کہ دنیائے اشعار میں جب بھی کسی سے ٹکراتا ہوں تو اتفاق یا حادثہ کی بدولت —— چنانچہ ۱۹۸۳ء میں بھی میں اس حالت سے دوچار ہوا اور یہ اتفاق یا حادثہ میرے لئے عصام صاحب کی شکل میں پیش آیا جو لسان الغیب کے اس شعر پر عمل کرتے ہوئے شاعری کرتے ہیں

حافظ سخن بگوی کہ در صفحۂ جہاں
ایں نقش ماند از قلمت یادگارِ عمر

عصام کی فارسی شاعری ایک منفرد آہنگ رکھتی ہے۔ وہ فارسی میں برجستہ غزل کہنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ اُن کے کلام میں رنگینی، ذہانت اور جدت پسندی نظر آتی ہے۔ غزلیں کیا ہیں شرابِ دو آتشہ ہیں جس کے نشے میں خمارِ چشمِ ساقی بھی ملا ہوا ہے۔ پاکستان میں عصام بے شک زینتِ چمنِ فارسی ہیں بلکہ وہ گلگشت کرنے والوں کی نظروں کی رونق اور گلچیں کے دست و داماں کی متاعِ عزیز ہیں۔

پچھلے سال کا واقعہ ہے کہ اُن کے مکان پر ایک قوالی کی محفل جمی ہوئی تھی، حال وقال کی موجیں جاری تھیں۔ مشہور پاکستانی دانش ور ڈاکٹر اختر امام کی فرمائش پر قوال عصام کی یہ غزل گا رہا تھا، اور حاضرین کیف و سرور میں غرق تھے ؎

خیالاتِ رنگیں اثر می فروشم
زراہِ نظر رہ گذر می فروشم

زخوشبوئے جاناں نفس مشک و عنبر
شمامِ نہاں منتشر می فروشم

زچشمِ سیہ چشمِ ما میکدہ شد
خمارِ نظر در نظر می فروشم

برائے حرارت اگر خواہی آتش
زحسنِ بتاں یک شرر می فروشم

عصامم کہ بالاز سود و زیانم
دل و جاں بہ نرخِ دگر می فروشم

اور مجھے اس محفل میں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں آج سے پچاس سال قبل کاکوری کے عرس کی ایمان و عرفان سے لبریز محفل میں سانس لے رہا ہوں

اور سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہوں اور کاکوری کے ایک عظیم فارسی شاعر حضرت ساحر کاکوروی کی غزل گائی جا رہی ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

بہ تیغِ جفائے تو سر می فروشم
بہ زخمِ سنانت جگر می فروشم

میں جب اس محفل سے واپس آیا تو ساری رات غزل کے خمار میں گزری، صبح ہوئی تو بار بار اشعار زبان پر آتے رہے اور پھر تو ہم دونوں نے کچھ ایسی وضع داری نباہی کہ آج تک شاعر کو بھی پڑھتا ہوں اور اس کے کلام کو بھی۔ اور اب حال یہ ہے کہ اکثر محسوس ہوتا ہے کہ ایک پُر فضا باغ میں ہوں اور یہ باغ "باغِ عصام" ہے جس کی رنگینی اور لطافت دل فریب اور دلکش ہے اور جذبۂ شوق بے ساختہ شیرینیٔ کلام کی داد دیتا چلا جا رہا ہے کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کا ورق پلٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور سن ۱۹۴۷ء یاد آتا ہے جب میں حافظ شیرازی کے کلام کو پڑھتے پڑھتے گل گشتِ مصلےٰ اور آبِ رکنا باد کی تفریح میں محو ہوگیا تھا ویسے ہی اب ۱۹۸۴ء میں دوبارہ اسی چمن میں چہل قدمی کر رہا ہوں۔ عصام کی غزل کی دو آتشہ شراب کے جام پیہم پینے شروع کر دیے ہیں اور مزے لے لے کر یہ کہنے لگا ہوں ؎

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نہ خواہی یافت

ہر چند کہ میرے دوستوں نے میری اس بے تکلفی کو تعجب سے دیکھا اور "لبیک" کے نعرے کے بجائے میرے لبوں سے "ہات الصبوح" کا شور سن کر مجھے ملامت کرنے لگے لیکن ان دلچسپیوں میں ایسا محو ہوگیا کہ کسی کی پروا نہیں ہوئی۔ اگر کبھی کچھ خیال بھی ہوتا ہے تو دل کہتا ہے ؎

شیوۂ رندی نہ لائق بود اما ایں زماں
چوں در افتادم چرا اندیشۂ دیگر کنم

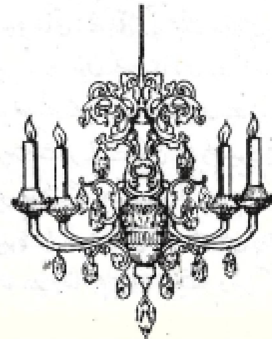
تقریباً ایک سال اس مہربان میزبان کے باغ میں نہایت لطف سے گزرا اور چُن چُن کر پھولوں کا یہ گلدستۂ تاثرات تیار کیا، جو آپ کی نذر ہے۔ مجموعۂ کلام دیکھ کر آپ خود اندازہ کر سکیں گے کہ اس گلدستے سے کس قدر رُوح افزا اور سرور انگیز خوشبو مشامِ جاں کو معطّر کر رہی ہے اور آج ہماری روایت کے حوالے سے پاکستان کو کس قدر نادر اور حیات بخش تحفہ حاصل ہوا ہے۔

یہ بھی عجیب واقعہ ہے، جسے آخر میں بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ جب میں یہ مضمون مکمل کر چکا اور دیوانِ حافظؒ سے کلامِ عصامؔ کی قدر و قیمت کے لئے رجوع ہوا تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

کسے گیرد خطا در نظمِ حافظ
کہ ہیچش لطف در گوہر نباشد

نثار علوی

کراچی یکم فروری ۱۹۸۴ء



نثار علوی

عصامؔ کی فارسی شاعری میں جدّت کا ہُنر

ادب چونکہ زندگی اور زمانے کی سیاسی، سماجی، مجلسی، تہذیبی اور فکری اُتار چڑھاؤ، تغیر و تبدّل اور رنگینی و نیرنگی کا مظہر ہوتا ہے اس لئے جب تک اس کا رشتہ اپنے عہد اور زندگی سے مربوط رہتا ہے ادبی روایت کے آگے بڑھنے اور نشو و نما کے مراحل طے کرنے کے لئے راستہ کھلا رہتا ہے۔ جب ادیب و شاعر اپنے عہد کے مختلف النّوع مسائل اور گرد و پیش کے حالات و واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ادب پر جمود طاری ہو گیا ہے۔ ہماری ادبی روایت کو اپنے تسلسل کی رفتار میں بار ہا ٹھہراؤ اور جمود سے دو چار ہونا پڑا ہے اور بار ہا اہلِ فکر و نظر کی اعلیٰ صلاحیتوں اور ذہنی بصیرتوں نے اس جمود کو توڑ کر اور اسے ایک نیا عصری شعور عطا کر کے اس کا رشتہ زندگی اور اس کے مسائل سے جوڑ دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں بھی ادب میں سُست روی اور نیم جانی کے آثار پیدا ہوئے ہیں اس کی رگوں میں فکر کا تازہ لہو دوڑا کر اس کو از سرِ نو زندگی کے قدم بہ قدم سفر کرنے کا اہل بنایا گیا ہے۔ حالات و واقعات کی تغیّراتی کیفیات کے اِدراک اور ردّ و قبول کے نئے نئے سانچوں کی بنیاد پر روایت سبکِ فارسی کے ساتھ اپنا سفر طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے اور اس تغیّر و تبدّل کے نتیجے میں نئے نئے اذہان و افکار جنم لیتے ہیں، جو ادیب و شاعر اس تسلسل کا عرفان رکھتے ہیں، ان کا شمار روایت کو آگے بڑھانے والوں میں ہوتا ہے، اور جو اس سے

بے خبر رہتے ہیں ان کی حالت وہی ہوتی ہے جو شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتّے یا دریا سے کٹ جانے والی لہر کی ہوتی ہے۔

ادب و شعر کی نبض پہچاننے اور زندگی کے ساتھ اس کی تغیراتی رنگا رنگی کا شعور رکھنے والے کسی ایک دائرے تک محدود نہیں رہتے بلکہ اپنی تنوعاتی حسِ اور مشاہدے اور تجربے کی ہمہ جہتی سے اس میں نت نئے رنگ بھرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمانے کا ادب اپنے عہد کے سیاسی، سماجی مجلسی، تہذیبی اور فکری مسائل کی نئے انداز سے ترجمانی کرتا ہے۔ کچھ افکار و الفاظ پردۂ گمنامی میں چلے جاتے ہیں، ان کی جگہ کچھ نئے الفاظ و افکار عالمِ ظہور میں آتے ہیں جن کی وجہ سے اظہار و اسلوب میں جدّت اور نادرہ کاری وجود میں آتی ہے۔ روایت کا یہ سفر صدیوں سے جاری ہے اور اس کے تسلسل کا یہی عمل نئے نئے چہرے ہمارے سامنے لاتا ہے، ان کی فکری صلاحیتوں سے ہمیں متعارف کراتا اور ان کی شاعرانہ شناخت میں ہماری مدد کرتا ہے۔

"از حرف تا بہ حرف" کے خالق جناب عصّام عظیم آبادی بھی ادب کے اسی تغیراتی اور تنوعاتی سفر کے نتیجے میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان کی شعر گوئی کا انداز روایت کے تسلسل کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک اجتہادی زاویہ رکھتا ہے۔ وہ زندگی اور ادب دونوں میں نئے نئے تجربے کرنے کے قائل ہیں۔ کامیابی اور ناکامی بعد کی بات ہے۔ وہ تجربوں کی ناکامی کے خوف سے میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتے اور اپنے آپ کو "لکیر کا فقیر" نہیں بننے دیتے۔

"از حرف تا بہ حرف" کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں فارسی کے علاوہ تمام علومِ حاضرہ کی بصیرت حاصل ہے۔ ان کا فارسی مطالعہ قدیم و جدید دونوں مدرسہ ہائے فکر پر محیط ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے قدیم و جدید فارسی شعراء

کی غزلوں پر ایک اہلِ زبان کی طرح طبع آزمائی کی ہے اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے ان سب سے بچ کر ابداع و اختراع کی ایک ایسی راہ نکالی ہے جو خود تراشیدہ ہے اور ان کی فارسی شاعری پر ان کے انفرادی تشخص کی مہر لگاتی ہے۔

میں نے انہیں دو چار ادبی نشستوں میں اپنا کلام سناتے اور اس پر مجلس میں موجود ان شعراء کو طنز کرتے بھی دیکھا ہے جو لکیر کے فقیر ہونے کے باعث تنوع اور نئے پن کو سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ منزلِ مقصود جراءت و بے خوفی سے آگے بڑھنے کا نام ہے۔ ایک خاص دائرے میں گردش کرنے والے اس دائرے سے باہر دیکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ مٹی کے گھروندوں پر محل کا قیاس کرنے والے فنِ تعمیر کی نزاکتوں کا ادراک کیسے کر سکتے ہیں؟ ان لوگوں کو خبر نہیں کہ روایت کو ایک قبر تصوّر کرنے، اس کے مجاور بننے اور اس پر پھول چڑھانے سے روایت کے نشوونما اور اس کے تسلسل کی سانس رک جاتی ہے۔ روایت کو زندہ رکھنے، اسے آگے بڑھانے اور اس کے نشوونما اور ارتقاء کا عمل تیز کرنے کے لئے اس کی رگوں میں تازہ اور جوان لہو دوڑنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب یہ لہو دوڑنے لگتا ہے تو روایت ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہے۔ آج کی روایت کے چہرے پر زردی کے آثار بھی کسی گرما گرم خون کے چھینٹے کے منتظر ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ

"کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق"

ممکن ہے یہ سعادت عصّام کے مقدّر میں ہو۔

ہمارے ادبی معاشرے کا المناک پہلو یہ ہے کہ وہ ہر اس شاعر اور ادیب کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے جو فرسودگی کے جبس کو توڑ کر تازہ ہوا

میں سانس لینا چاہتا ہے۔ اس معاشرے کے بیشتر افراد کسی تخلیقی عمارت کے مکمل ہونے سے پہلے اس کی خرابیوں پر اظہارِ خیال شروع کر دیتے ہیں۔

غالب اور شیکسپیئر کے زمانے کا معاشرہ اگرچہ آج کے معاشرے کے مقابلے میں زیادہ تحمل اور برداشت کا حامل تھا پھر بھی ہندوستان میں غالب اور انگلستان میں شیکسپیئر پر طنز و ملامت کی جو سنگباری کی گئی اس کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ شیکسپیئر پر الزام لگایا گیا کہ وہ سرے سے شاعر ہی نہیں ہے، اسے زبان و بیان کی بے شمار بے ضابطگیوں کا مرتکب قرار دیا گیا۔ غالب کو مہمل گو اور شاعرانہ نزاکتوں سے عاری کہا گیا اور اس کا اس حد تک مضحکہ اڑایا گیا کہ اسے کہنا پڑا "گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی" اور خود کو "عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ" کہہ کر اپنی انا کا بھرم رکھنا پڑا۔ مگر جب غالب اور شیکسپیئر کے تخلیقی کارناموں کو تحقیق کی چھلنی میں چھانا گیا تو دونوں اپنے اپنے عہد کے بڑے فن کار قرار پائے۔ ایسی صورت میں اگر جناب عصام کو اپنے معاشرے کی طرف سے ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑے تو انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ اچھے مستقبل کا انتظار کرنا چاہئے۔

ادب کو جدید سے جدید تر بنانے کے لئے ہر دور میں کوششیں کی گئی ہیں اس لئے اگر عصام کا ذہن بھی آج اس طرح کی کوششوں میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ تجربے وہی کرتا ہے جس کے پاس تجربے کے لئے ذہنی احساس اور فکری بصیرت فطرت کی طرف سے موجود ہو مشکل یہ ہے کہ لوگ جدت اور تنوع کی مشکلات پر غور کرنے کے بجائے اسے آسان اور سہل الحصول سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ روایت کے سفر میں جدت کی منزل مطالعے اور مشاہدے کی بے شمار تہوں اور پرتوں کو کھولنے اور رنگا رنگی کے سیکڑوں مراحل سے گذرنے

کے بعد آتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ صدیوں کے مطالعے، تجربے اور مشاہدے سے گزرنے کے بعد بھی آدمی نئے پن کی منزل سے محروم رہتا ہے۔ فکر و خیال کے حوالے سے ہزاروں باتیں کہی جاتی ہیں مگر ان میں سے ایک آدھ بات ہی ایسی نکلتی ہے جسے بالکل نیا کہا جا سکے۔ نیا پن کسی درخت کا پھل نہیں جسے آسانی کے ساتھ شاخ سے توڑ لیا جائے۔ جدت اور تنوع کا ہنر خداداد ہوتا ہے۔ تجربے اور مشاہدے سے اس میں مزید جلا ہو جاتی ہے عصام کی فطرت میں یہ ہنر موجود ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ خیال سے اس کی قامت کے لئے کیسا پیرہن تیار کرتے ہیں۔

عصام کا ذہن ، از حرف تا بہ حرف ، میں ہر جگہ اپنی ابداعی و اختراعی ذہانت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ ایک بند تالاب نہیں ایک رواں دواں چشمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے افکار میں تحقیق و جستجو اور مشاہدے اور تجربے کی پرچھائیاں سانس لیتی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے اسلوب کی نئی نئی سمتوں اور جہتوں سے روایت کی دنیا میں نئے نئے افق تراشتے، نئی نئی راہیں نکالتے اور نئے نئے تجربے کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے یہ تجربے ابھی قبولِ عام کی منزل تک نہیں پہنچے۔ قبولِ عام کی منزل بھی بڑی عجیب ہے۔ یہ کبھی ایک پل میں آجاتی ہے اور کبھی صدیوں اس کا سراغ نہیں ملتا لیکن ہمیں اس کا یقین ہے کہ اگر وہ اسی طرح اپنے موقف کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب وہ فارسی ادب کے افق پر ایک نئے ذہن اور جدید طرزِ فکر کے شاعر کی حیثیت سے طلوع ہوں گے۔ ان کے بیشتر اشعار کو خط کشیدہ کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ قارئین ان کے ابداعی و اختراعی زاویوں اور ان کی سوچ کے دھارے کی رفتار کا اندازہ لگا سکیں اور اس عمل کو کسی اور عینک سے دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔

عصام نے متعدد مقامات پر ایسی جدید تراکیب وضع کی ہیں جو فارسی ادب

کی عام روایات سے ہٹ کر ہیں لیکن ان تراکیب پر ناک بھوں چڑھانے کے بجائے
ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہئے۔ انہوں نے فارسی کے تقریباً تمام اساتذہ کا
مطالعہ کیا ہے اور ان کی زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں
کہ وہ ان شعراء سے بلند قامت ہیں یا ان کے اس عمل سے ان کی شاعرانہ عظمت اور
استادانہ حیثیت میں کوئی فرق آجائے گا۔ دراصل یہ ایک طرح کا نذرانۂ عقیدت
ہے جو عصام نے اپنے پیشروؤں کی خدمت میں پیش کیا ہے اور ان سے فکری و ذہنی
استفادہ کرکے اپنے لئے ایک جداگانہ راہ نکالنے کی سعی کی ہے۔

ہندوستان میں فارسی کا وہ دور ہمارے سامنے ہے" جب ایک طرف فارسی
دفتری زبان تھی اور اس کی شیرینی، حلاوت، نرمی، گداز اور نزاکت کا طوطی بول
رہا تھا اور دوسری طرف اہلِ ذوق عوام و خواص میں اس کی روانی کا لہو دوڑ رہا تھا۔
اگر فارسی گویانِ ہند کا وضاحت سے ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم تاریخ مرتب ہو سکتی ہے
البتہ ایسے چند بڑے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جنہیں ہم فارسی زبان و ادب
کی تاریخ میں قد آور شخصیتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے
فارسی گویانِ ایران سے کہیں زیادہ فارسی ادب و شعر کی خدمت کی ہے اور اسے
اوجِ ثریا تک پہنچایا ہے۔ فیضی، امیر خسرو۔ نظیری۔ عرفی۔ بیدل۔ غالب۔ قتیل
نعمت خان عالی۔ بوعلی قلندر۔ شبلی نعمانی۔ گرامی جالندھری اور علامہ اقبال کے
نام تاریخ کے صفحات پر اپنی اپنی روشنی بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں خسرو، نظیری
اور بیدل کا شعری رتبہ تو ایسا ہے کہ موجودہ ایران میں بھی انہیں اہلِ زبان اساتذہ
کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک فارسی نثری ادب کا تعلق ہے حضرت
شیخ علی ہجویری کی کتاب "کشف المحجوب"، فارسی نثری ادب میں تصوف پر
پہلی تصنیف ہے۔

انگریزی دورِ اقتدار کی گرفت جتنی جتنی مضبوط ہوتی گئی فارسی کی اہمیت
اسی نسبت سے کم ہوتی گئی۔ آج پاکستان اور ہندوستان میں اس کا ذوق برائے نام
ہی باقی ہے اور لوگوں کا ذہن اب انگریز کے بجائے انگریزی کا محکوم ہو کر رہ گیا ہے
اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادب کے حوالے سے ہمارے اردو ادب و شعر کے
سرمائے میں بڑا گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ مگر اس کا یہ نقصان بھی کسی طرح کم نہیں
کہ فارسی کے ساتھ ہماری جو ایک مشرقی، تہذیبی، روایتی اور مجلسی تاریخ وابستہ
تھی ہم اس سے بڑی حد تک غافل ہو گئے ہیں۔ ان باتوں کے باوجود فارسی کی یاد
ہمارے ذہن و دماغ سے محو نہیں ہوئی ہے۔ فارسی اب بھی ہمارے تدریسی
نصاب میں داخل ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شاعری کی تخلیق کا رواج
عرصے سے جاری ہے۔ شبلی نعمانی، گرامی جالندھری اور علامہ اقبال کی فارسی غزلوں
نے اہلِ ذوق کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ صوفی تبسم کا ایک شعری مجموعہ اردو فارسی
"یک ہزار و یک سخن" کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل شیخ محمد اکرام
کی مرتب کردہ ایک کتاب "ارمغانِ پاک" کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں برصغیر
پاک و ہند کے شعراء کا ایک محدود انتخاب موجود ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور معتبر کتاب
"تذکرۂ شعرائے پنجاب" ہے جسے کرنل عبدالرشید نے مرتب کیا ہے۔ اس میں فارسی
شعراء کی ایک بڑی تعداد کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اقبال کی فارسی شاعری سے متعلق
دو وقیع کتابیں حال ہی میں طبع ہو کر سامنے آئی ہیں، جو پروفیسر مرزا محمد منور کی جد و جہد
اور کاوش کا نتیجہ ہیں۔ غرض یہ کہ مختلف انداز میں فارسی ادب پر کچھ نہ کچھ کام
محدود پیمانے پر سہی مسلسل جاری ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ اس دور میں سرزمینِ عظیم آباد کے ایک فرزند عصام نے ازحد

تا بہ حرف" کی صورت میں فارسی کا ایک اور چراغ جلانے کی کوشش کی ہے۔ اس جرأتِ قلندرانہ سے جہاں ایک طرف پاکستان، ایران، افغانستان وغیرہ میں مروّت و محبت کو فروغ حاصل ہوگا وہاں دوسری طرف اردو اور فارسی کا درمیانی فاصلہ کم ہوگا، اور لوگوں میں فارسی کو اجنبی زبان سمجھنے کے رجحان کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ عصّام نے اپنی فکر کی لے میں اپنے عہد کے مادّی، سائنسی، مقامی اور غیر مقامی حالات و واقعات کی آواز بھی شامل کی ہے اور اس طرح روایت کے کینوس کو وسیع کرنے کی جدّ و جہد کی ہے ان کی جدّ و جہد کا یہ رُخ اگرچہ تجربوں کی منزل میں ہے مگر ان تجربوں پر عوامی قبولیت کی چھاپ لگنے کے بعد ان کے لہجے کی انفرادیت مسلّم ہو جائے گی۔

عصّام کا علمی اور ادبی خانوادہ ماضی کے ورثے کے طور پر اُن کے پاس موجود ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ تجربات و مشاہدات کی سیاحت کا جو اثاثہ ان کی گرہ میں ہے وہ ان کے اشعار میں فکر کے نئے نئے شگوفے اور تنویم کے رنگا رنگ پھول کھلاتا رہتا ہے، جس کا ثبوت ہمیں "از حرف تا بہ حرف" کی تخلیقات سے مل جاتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے پر ان کا یہ شعر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

از حرف تا بہ حرف رسیدم بہ گلشنے
در کیفِ بے حساب نمازِ حروف بود

فیضی نے کہا تھا:

حریفِ خلوتِ من عقلِ ذو الفنونِ من است
صریرِ کلکِ من آوازِ ارغنونِ من است

اور غالب کا مصرعہ ہے:

غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

مگر عصّام نے نمازِ حروف بود کہہ کر سب سے الگ راہ نکالی ہے۔

"از حرف تا بہ حرف" کی ابتدا حسبِ معمول خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا سے اس طرح ہوتی ہے:

اے خدائے دل پذیر و دلنواز و دل پسند
از شرارِ نورِ تو ایں آفرینش ارجمند

اس کے بعد وہ اپنی نعتیہ نظم کے حوالے سے حضور ختمی مرتبت پر اس طرح گلِ عقیدت نچھاور کرتے ہیں:

جاں را اشارہ می دہی
دل را شرارہ می کنی
دریائے بے پایانِ ما
پیدا کنارہ می کنی
تو مرجعی تو محرمی
تو بیشری تو رحمتی

یا رحمت للعالمیں
یا رحمت للعالمیں

نعت کے دوسرے بند پر بھی ان کے خاص رنگ کی چھاپ ہے۔ خسروؔ نے کہا تھا:

آفاقہا گردیدہ ام حسنِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عصّام نے اپنا راستہ اس طرح نکالا ہے:

بر رحمتِ من گردیدہ ام
حسنِ جہاں ورزیدہ ام

نازو ادا فہمیدہ ام
ناہید و زہرہ دیدہ ام
لیکن تو چیزے دیگری
حسنِ مجسم دلبری

غزل ہو یا نعت، نظم ہو یا منقبت، ان کے ابداع کی کیفیت کارجادو اسی طرح موجود ہے۔ "از حرف تا بہ حرف" میں چار نعتیں شامل ہیں اور ہر نعت میں ان کے مزاج کی بوقلمونی قاری کی توجہ کا دامن کھینچ کر اسے ٹھہرنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ذیل کی نعت اپنی ردیف کے ساتھ مل کر ایسا سماں کھینچتی ہے، جو پڑھنے والے کو آئینۂ حیرت بنائے رکھتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ حیرت و محویت کا یہ طلسم ٹوٹنے نہ پائے۔ الفاظ کی ریزہ کاری، مضامین کا تنوع اور صوتی آہنگ آپس میں گھل مل کر ایک ایسا طلسم خانہ تعمیر کرتے ہیں جس میں رنگا رنگ آوازوں کا شور اور لے کی پرچھائیوں کا رقص برپا ہے۔ لیجئے آپ بھی اپنے شعور و ادراک کی باریکیوں کے ساتھ اس کی سیر کیجئے:

مثلِ رنگِ چراغِ شفق منتشر
مثلِ کارِ نظامِ ادق منتشر
درسِ الفت ورق در ورق منتشر
مثلِ علمِ بیاں در سبق منتشر
خود حیات و ممات و نغاں منتشر
حقِ عشقِ رسولِ زماں منتشر

کارِ دنیا کند کارِ عقبیٰ تمام
کارِ حسنِ عقیدت ز نغمہ تمام

ایں شفق زارِ حسنِ تمنا تمام
ہم معوذ و معاذ و متقی تمام

چوں حروفِ قرآں بر زباں منتشر
حقِ عشقِ رسولِ زماں منتشر

نعت کے یہ دو بند "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ ان کے مطالعے سے آپ محسوس کریں گے کہ ان کے فکری شہ پاروں کا فنی مرتبہ کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وجدان کے دھارے میں الفاظ بے بس تنکوں کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں:

از سراجاً منیرا تنور توئی
چشمِ باغِ جناں را تحیر توئی
سازِ تسکینِ دل را تاثر توئی
منتشر یادِ عاشق تہور توئی

ہمچو خشتِ مکاں بے مکاں منتشر
حقِ عشقِ رسولِ زماں منتشر

مضمون طویل ہو جائے گا مگر آپ کا ذوق تشنہ رہے گا اگر ایک اور نعت کے چند اشعار آپ کی سیرابیٔ طبع کے لئے پیش نہ کر دیئے جائیں جو عرفی کی اُس مشہور زمین میں لکھی گئی ہے جس کا ایک شعر ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

عصام کہتے ہیں:

سحر خنداں بہ نورِ خود ہمہ صبحِ سعید ایں جا
جبیں شہرت در دنیا کند و آید تو ید ایں جا

در یں شہرِ کرم اے دل نگارِ صد نگار آمد
خوشا مکہ کہ باز آخر گلِ سوسن دمید ایں جا
شمیمِ باغِ دل دارد نظامِ عنبریں مضطر
نسیمِ عطر زا رقصد کہ جشنِ صبح دید ایں جا
عصامِ بادِ فا آید بہ صد تکریم و نازِ دل
چہ خوش گفتہ ز خود عرفی بہ اندازِ جدید ایں جا

عصام کی تمام نعتیں بھی رنگ کے اعتبار سے ایک ہی معیار و مزاج کی ہیں نعتوں
کے بعد منقبت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ
حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی خدمت میں ارادت و محبت کے ہدیے
پیش کیے گئے ہیں۔ پھر عصام نے حضرت غوث الاعظمؒ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش
کیا ہے۔ اس کے بعد غزلیات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی منقبت
کے اس شعر میں اُن کے مزاجی تنوع کا رنگ صاف نمایاں ہے۔

اے امامِ صد شجاعت فاتحِ یرموک و رتے
اے سوارِ اسپِ عالم آیۂ فتحِ مبیں

"امامِ صد شجاعت" اور "سوارِ اسپِ عالم" کی تراکیب کو ان کی جدت آفریں
طبیعت کی شہ کاری کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے، جن سے حضرت عمر فاروق رضؓ
کی تاریخی فتوحات کا احاطہ کیا گیا ہے اور بالکل نئی اور انوکھی تراکیب ہیں۔ اسی
طرح حضرت عثمان غنی رضؓ کی منقبت میں یہ اشعار تاریخی حقائق و شواہد کی مکمل
تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں:

سرزمینِ مالٹا را تو بہارِ حسنِ دیں
تو بہ اسئے ردم و قبرص یک شرارِ آتشیں

فاتحِ یورپ توئی جلوہ گہہ ایقاں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرت عثماں توئی

یہاں "اے حضرت عثماں توئی" کی ترتیب کیا مزہ دے رہی ہے۔ اسی طرح حضرت
علی رضؓ کی منقبت میں چشتیہ و قادریہ سلاسل کی طرف بھی واضح اشارے ملتے ہیں:

در سلوک و در ولایت نکہتِ روحِ عصام
در جمالِ چشت و قادر نزہتِ حسنِ تمام

خط کشیدہ دونوں ٹکڑے قدیم الفاظ میں نئی اصطلاحی و اصلاحی روح پھونکتے
ہیں۔ جدت طرازی کا یہ ہنر ذیل کی غزلوں میں اپنی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہے:

قاصر منم ز جرمِ شرابِ وصالِ او
تاریخ سازِ حرفِ شکیبا نوشتہ ایم
تا صدمۂ حیات نہ گیرد بساطِ غم
ما داستانِ حرفِ معلّیٰ نوشتہ ایم

یہاں دونوں خط کشیدہ ٹکڑے قابلِ داد ہیں۔

"از حرف تا بہ حرف" میں چند غزلیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جو طبعزاد
ہیں۔ زیادہ تر غزلیں حافظ، عرفی، فیضی، بیدل، خسرو، قتیل، نعمت خان
عالی، بوعلی قلندر، غالب، شبلی نعمانی، عثمان ہارونی اور علامہ اقبال کی زمینوں
میں تخلیق کی گئی ہیں۔ یہاں عصام سے ان اساتذۂ کرام کا تقابلی جائزہ مقصود
نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ عصام نے ان حضرات کی فکر سے کس انداز میں استفادہ کیا
ہے اور انھوں نے کہاں کہاں اُن کے افکار سے اپنی ایک علیحدہ تخلیقی صلاحیت
بیدار کی ہے۔ ایک غزل غالب کی زمین میں ہے، جس کا ایک شعر حسب
ذیل ہے:

آغشته ایم بر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشته ایم

عصام کہتے ہیں:-

ما خندہ ہائے گلشنِ زیبا نوشته ایم
رقصِ شرر ز سرخیِ غازه نوشته ایم

ایک اور غزل حافظ شیرازی کی زمین میں ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:-

اے نسیمِ سحر آرام گہِ یار کجاست
منزلِ آں مہِ عاشق کُشِ عیار کجاست
حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
فکرِ معقول بہ فرما گلِ بے خار کجاست

عصام حافظ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

ہمہ اندازِ سخن حافظِ رنگیں دارد
آں عصام نظر افروز و فسوں کار کجاست

یہاں "نظر افروز" اور "فسوں کار" کی معنویت اور جدت لاجواب ہے۔ اسی زمین میں عصام کا ایک اور شعر سنئے:-

قطب و ناہید و مہ و نیرِ تاباں اِم شب
لیکن اے نجمِ سحر قافلہ سالار کجاست

قطب، ناہید، مہ، نیرِ تاباں کے استعاروں سے انہوں نے پرتوِ محبوب مراد لیا ہے اور قافلہ سالار سے انوارِ الٰہیہ کی طرف نہایت بلیغ اشارہ کیا ہے۔

عبدالقادر بیدل کی زمین میں پہلے یہ مطلع سنئے، بیدل کہتے ہیں:-

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنجِ خمارِ ما
چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما

عصام کہتے ہیں:-

تو نگارِ زہرہ جبیں رسی بہ ہزار قرب و جوارِ ما
تن و جانِ من بہ نثارِ تو ہمہ قلب قلبِ فگارِ ما

"بہ ہزار قرب و جوارِ ما" اور "ہمہ قلب قلبِ فگارِ ما" کی تراکیب فارسی شاعری میں ایک نیا اضافہ ہیں۔

اب ذرا علامہ اقبال کی زمین میں پہلے اقبال کے چند اشعار سماعت فرمائیے پھر عصام کی جدت آفرینی کا ہنر دیکھئے۔ اقبال کہتے ہیں:-

صورت نہ پرستم من بت خانہ شکستم من
آن سیلِ سبک سیرم ہر بند گسستم من
در دیر نیاز من در کعبہ نمازِ من
زنار بہ دوشم من تسبیح بہ دستم من

عصام کہتے ہیں:-

دیوانہ نگشتم من فرزانہ نہ ہستم من
بر نرگسِ بیمارت وارفتہ و مستم من

لگے ہاتھوں عصام کا ایک اور نادر مطلع ملاحظہ ہو:-

"جعدِ مشکیں کہ بہ پائے بتِ طناز رسد"
ساقیِ سیمیں شدہ گلرنگ بہ شہناز رسد

یہاں خطِ کشیدہ کی داد دیجئے۔ "خود بہ خود آزاد بودی خود گرفتار آمدی" کے مصرع پر عصام کی گرہ ملاحظہ ہو:-

ترنگیں ہرگز نہ باشی خود ریا کار آمدی
"خود بہ خود آزاد بودی خود گرفتار آمدی"

امیر خسرو کا مشہور مطلع ہے :-

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

عصام کا مطلع دیکھئے :-

تو نازِ حسن داری ہم شدتِ نگاہے
ایں گیسوئے مسلسل ہم خطِ سبزہ گاہے
ایں لرزشِ نزاکت چوں سنبل و گیاہے
ایں نالہ و فغانے ایں آہِ صبح گاہے

ہم شدتِ نگاہے، ہم خطِ سبزہ گاہے اور لرزشِ نزاکت کی تراکیب بالکل جدید نوعیت کی ہیں۔ پھر جب ان چار مصرعوں سے، من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے کا مصرعہ آ کر مل جاتا ہے تو معنویت میں اور قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

حضرت عثمان ہارونی کے اس مصرعہ "مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم" پر عصام کے دو شعر قابلِ داد ہیں :-

زچشمِ نازِ بد مستی بہ صد بیمار می رقصم
سکوں در دل مگر دارم بہ حکمِ یار می رقصم
بہ رنگِ پیر مروندی عصام آید غزل امشب
مگر نازم بہ عثمانے کہ سہون وار می رقصم

سہون شریف میں پیر عثمان مروندی کے مزار پر چونکہ عثمان ہارونی کی یہ غزل درج ہے اسی سے عصام کو اس کا اندازہ ہوا کہ انہی کی تصنیف ہے۔ عصام

کے مذکورہ بالا دو اشعار میں "بہ صد بیمار" اور "سہون وار" کی تراکیب قابلِ غور ہیں جو فارسی شاعری میں اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اب رودکی کا یہ مطلع ملاحظہ ہو :-

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی	یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

عصام نے اس سے متاثر ہو کر کہا ہے :-

نازِ خوابِ کہکشاں آید ہمی	فخرِ حسن مہوشاں آید ہمی

قاآنی کا مطلع ہے :-

عید است ساقی در قدح صہبا ز مینا ریختہ
در گوہرِ الماس گوں آبِ مصفا ریختہ

عصام کہتے ہیں :-

وصل است و جاناں در حیا خونِ تمنا ریختہ
از تابشِ چشمِ حسیں تابِ تماشا ریختہ

"تابِ تماشا" کے ساتھ "ریختہ" کی ردیف عصام کی جدت آفریں طبیعت کی بدولت ہمارے سامنے آئی ہے۔

قاآنی کی ایک غزل کا مشہور مصرعہ ہے :-

"ساقی بدہ رطلِ گراں زاں مے کہ دہقاں پرورد"

عصام کا مطلع دیکھئے :-

رنگِ رخِ یارِ حسیں صبحِ درخشاں پرورد
در دورطۂ خوابِ یقیں سحرِ نمایاں پرورد

"در دورطۂ خوابِ یقیں" اور "سحرِ نمایاں پرورد" کی ترکیبوں میں جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے وہ عصام کے عصری شعور پر دلالت کرتا ہے۔

ایک اور زمین میں "نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی" عصام کی نظم نما غزل ملاحظہ ہو:-

ہم نازِ خواب داری ہم نغمہ غنائی
ہم حسن حسنِ عالم چوں جلوۂ رسائی
با گیسوئے درازے تو شام مہ لقائی
خواہم ہزار لیکن ما را نہ دلربائی

نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

خط کشیدہ تمام ٹکڑے عصام کی ندرت آفرینی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں عصام فارسی ادب کو نئے نئے تجربوں سے مالا مال کرنے کی دُھن میں منزل سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ ان کا ذہن جتنی برق رفتاری کے ساتھ اپنا سفر طے کرتا ہے ان کی شعری رفتار بہت سے مقامات پر ان کا ساتھ نہیں دے پاتی۔ اس زمین میں بھی یہی ہوا ہے اور ان کی شاعرانہ رفتار اُن کے شعری وجدان سے پیچھے رہ گئی ہے۔ اس کے بعد "عیاں را" "نہاں را" کی ردیف میں عصام کا مطلع سنیئے:-

مضمونِ ما نہ بودہ مضمونِ گلرخاں را
دل آب آب کردہ مفہومِ ناقداں را

دونوں مصرعوں میں کتنی لطیف بات کہی گئی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کا ایک مشہور شعر ہے:-

من فدائے بتِ شوخے کہ بہ ہنگامِ وصال
بمن آموخت خود آئینِ ہم آغوشی را

اس زمین میں عصام کا مطلع دیکھئے:-

چنیں معشوق نہ دارم کہ بہ سر جوشی را
از دلِ خویش کند کارِ ہم آغوشی را

ایک طبع زاد غزل کا مطلع ہے:-

آں جانِ نے نواز کہ نغمہ فروش بود
خود جانبِ نگاہ نازِ سروش بود

خط کشیدہ مصرعہ اُن کے منفرد رنگِ طبیعت کا ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

حافظ شیرازی کا مطلع ہے:-

سحرم دولتِ بیدار بہ بالیں آمد
گفت برخیز کہ آں خسروِ شیریں آمد

عصام کہتے ہیں:-

خود نگارِ دلِ عاشق ہمہ رنگیں آمد
مژدہ اے سرو و سمن خود شہِ سیمیں آمد

دونو خط کشیدہ ٹکڑے اپنی اپنی جگہ قابلِ داد ہیں۔

نظامی گنجوی کا ایک شعر ہے:-

نہ محتاجم بہ گلگشتِ چمن اے باغباں ہرگز
بہارِ صد چمن بر عارضِ جانانہ می بینم

عصام کا مطلع ہے:-

فروغِ آتشیں در کوزہ و پیمانہ می بینم
سرورِ دلنشیں در نرگسِ مستانہ می بینم

حافظ کا شعر ہے:-

وقتِ عزیز رفت بیا تا قضا کنیم
عمرے کہ بے حضورِ صراحی و جام رفت

عصام کہتے ہیں :-

خود رفت چوں شرارِ دل و جانِ میکدہ
کیفِ شراب و مستی و مینا و جام رفت

مولانا روم کا شعر ہے :-

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست

عصام کہتے ہیں :-

روئے روشن جلوۂ شہ نازِ دوست
در شمامِ قلب خود اعجازِ دوست

"جلوۂ شہ نازِ دوست" اور "در شمامِ قلب" کی ہیئتِ ترکیبی اپنی مثال آپ ہے

عرفی کا مقطع ہے :-

خوک باش و خرس باش و یا سگِ مردار باش
ہر چہ باشی باش عرفی اندکے زردار باش

اب عصام کا مقطع ملاحظہ ہو :-

راست گو یدائے عصام آں عرفیِ رنگیں بیاں
وسعتِ بیدارِ خود ہرگز نہ تو نادار باش

"وسعتِ بیدارِ خود" اور "ہرگز نہ تو نادار باش" کی تراکیب کا جواب نہیں۔

عرفی کا ایک اور شہرہ آفاق شعر سنئے :-

عرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را

عصام کہتے ہیں :-

آں حسنِ جواں رنگت دہد بندِ قبا را
آں چشمِ سیہ تیز کند نبضِ قضا را

سبحان اللہ کیا نازک خیالی ہے۔

خسرو کا شعر ہے :-

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

عصام کہتے ہیں :-

در مقامِ درد ویرانی ہنوز
در حریمِ قلب حیرانی ہنوز

کیا برابر کے مصرعے ہیں۔ "در مقامِ درد ویرانی ہنوز" کا کیا جواب ہے۔

خسرو کا مشہور مصرعہ ہے "اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری"

عصام کا مطلع دیکھئے :-

"اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری"
اے آتشِ سوزِ دل تو رنگِ کسے داری

"رنگِ کسے داری" کی بلاغت کو سمجھنے کے لئے نظر چاہئے۔

حافظ کا مشہور مطلع ہے :

بالا بلند عشوہ گرے سروِ نازِ من
کوتاہ کرد قصۂ زہدِ درازِ من

عصام کہتے ہیں :-

کیفِ شراب و رندیِ مستانہ سازِ من
صبحِ حسین و جلوۂ عشوہ طرازِ من

مفہوم کی اس وسعت اور آفاقیت کو وجدان کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔

حافظ کہتے ہیں :۔

اے کہ با سلسلۂ زلفِ دراز آمدہ ای
فرصتت باد کہ دیوانہ نواز آمدہ ای

عصام کہتے ہیں :۔

اے کہ با نغمۂ صد حسنِ حجاز آمدہ ای
روحِ بے نغمہ را تو نغمہ طراز آمدہ ای

مولانا روم کہتے ہیں :۔

تو چرا باشی بہ فکرے مبتلا   کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما

عصام کہتے ہیں :۔

داغ ہائے دردِ ما گلزارِ ما   غمزہ ہائے حسنِ تو دربارِ ما

"دربارِ ما" کا ٹکڑا کتنا اچھوتا ہے۔

قتیل کا مشہور مطلع ہے :۔

مارا بہ غمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
خود سوئے ما نہ دید و حیا را بہانہ ساخت

عصام کے چند شعر سنئے :۔   کاکل بہ رخ کشید و صبا را بہانہ ساخت

دستِ حسیں نہاد و حیا را بہانہ ساخت
طنازِ حسن داشت ہمہ رنگِ دلنشیں
رخشندگیِ قوس نما را بہانہ ساخت
نظارہ کرد بر سرِ افلاک مہر و ماہ
مارا چو دید حسن خلا را بہانہ ساخت

مندرجہ بالا اشعار میں "رخشندگیِ قوس نما" بالکل نئی سوجھ ہے اور "خلا را بہانہ ساخت" تسخیرِ خلا اور فکر و جستجو کے نئے باب ہیں۔ جن کا قدیم زمانے میں تصور تک نہیں تھا۔

فیضی کا پُر بہار مطلع ہے :۔

اے تُرکِ غمزہ زن کہ مقابل نشستہ ای
در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ ای

عصام کو ملاحظہ کیجئے :۔

اے رشکِ کہکشاں کہ بہ محمل نشستہ ای
گوید خیالِ من کہ مقابل نشستہ ای

حافظ کہتے ہیں :۔

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
تا سحر گہ زکنارِ تو جواں برخیزم

اب عصام کو سنئے :۔

نغمۂ شام و سحر حرفِ بیاں برخیزم
تابشِ حسنِ شفق شعلہ فشاں برخیزم

خط کشیدہ مصرعے اپنا جواب آپ ہیں۔

حضرت بو علی قلندر کا مطلع ہے :۔

مائیم و چشم وقفِ رہِ انتظارِ دوست
بنشستہ ایم ما بہ سرِ رہگذارِ دوست

عصام کہتے ہیں :۔   آں یارِ دلنشیں کہ خودش یادگارِ دوست

"مارا دہد پیامِ لبِ نغمہ بارِ دوست"

مصرعۂ اولیٰ اپنی مثال آپ ہے۔

نعمت خان عالی کا مطلع ہے :-

شد آمدنم رفتن چوں موج بہ آب اندر
نادیدنِ من دیدن چوں چشم بہ خواب اندر

عصام کہتے ہیں :-

ایں نقرہ گفتارش نغمہ بہ رباب اندر
گلکاریِ رفتارش انجم بہ سحاب اندر

یہ مطلع کسی طرح بھی نعمت خان عالی کے مطلع سے کم نہیں ہے۔

حافظ کا مطلع ہے :-

ایں خرقہ کہ من دارم در رہنِ شراب اولیٰ
ویں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ

عصام کہتے ہیں :-

ایں نغمہ رُخشندہ از صوتِ رباب اولیٰ
ایں فرصتِ بے معنی در جذبِ شراب اولیٰ

"فرصتِ بے معنی" اور "در جذبِ شراب اولیٰ" نے عجیب سماں پیدا کر دیا ہے۔

سعدی کا مشہور مصرعہ ہے "صد ہلالِ عید قرباں روئے تو" اس زمین میں

عصام کہتے ہیں :-

آب دارِ تیغِ بُرّاں روئے تو   سبزۂ خطِ حسیناں روئے تو

خسرو کا مطلع ہے :-

خبرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

عصام کہتے ہیں :-

پئے سیرِ صحنِ گلشن کہ نگار خواہی آمد
شدہ مستِ نغمہ بلبل کہ بہار خواہی آمد

حضرت فرد عظیم آبادی کا بہت مشہور شعر ہے :-

لغزشِ مستانہ در رفتار و جامِ مے بہ کف
رخصت اے تقویٰ کہ یار آمد بہ سامانِ دگر

عصام کہتے ہیں :-

درد نزد طبیب دارم ہمچو درمانِ دگر
فیضِ جذبِ عشق دارم مثلِ کنعانِ دگر

خط کشیدہ مصرعہ کی شرح کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

حافظ کا مطلع ہے :-

صبح است ساقیا قدحے پُر شراب کن
دورِ فلک درنگ نہ دارد شتاب کن

عصام کہتے ہیں :-

از کیفِ جوشِ جامِ مجلا خراب کن
از رنگِ دستِ ساقی مدہوش شراب کن

دوسرا مصرعہ قابلِ توجہ ہے۔

حافظ کا شعر ہے :-

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است

عصام کہتے ہیں :-

اثاثِ فکر کہ زخندۂ جہاں عمل است
نشاطِ کارِ نظامِ کمالِ بے علل است

دونوں مصرعوں کا فلسفہ الگ الگ ہے۔

حافظ کے اس مطلع کے بعد عصام کا مطلع ملاحظہ ہو:۔

حافظ۔ روئے تو کس نہ دید و ہزارت رقیب ہست
در غنچہ ای ہنوز و صدت عندلیب ہست

عصام۔ در کارِ عشق پردۂ غیب نصیب ہست
خود مقتلِ نظر سرِ راہِ صلیب ہست

لاأعلم۔ حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

حافظ۔ روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد
زدم این فال و گزشت اختر و کار آخر شد

عصام۔ گوہر لمعہ فشاں نقش و نگار آخر شد
شفقتِ حسنِ نظر خندۂ یار آخر شد

سبحان اللہ سبحان اللہ خط کشیدہ ٹکڑوں میں جدت کا کیا حسن ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

عصام کہتے ہیں:۔

قیدِ ہزار و بندشِ زنجیرم آرزوست
گیسوئے مشکبار و شبِ تیرم آرزوست

حافظ کا شعر ہے:۔ شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

عصام کہتے ہیں:۔

یادِ دردِ بے حساب شب نالہ می رود
از آہِ دل گداز دلِ لالہ می رود

عصام کا یہ مطلع بھی قابلِ توجہ ہے:۔

با شعلۂ نگاہِ جگر تاب می رسم
با حسن کو بہار بہ یک خواب می رسم

کسی شاعر کا مشہور مصرعہ ہے:۔ "بر تو ئی محفلِ شاہانہ مبارک باشد"
اس زمین میں عصام کا شعر سنئے:۔

جامۂ حرف بدن چہرۂ معنی بر دل
عشرتِ نغمۂ دردانہ مبارک باشد

"جامۂ حرف بدن" "چہرۂ معنی بر دل" اور "عشرتِ نغمۂ دردانہ" کی تراکیب فارسی شاعری میں اپنی نوعیت کی منفرد تراکیب ہیں۔

عصام کی شاعری کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان مشاہدات و واردات اور مظاہر و مناظرِ قدرت کو اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں جو نا واقفیت کی بنا پر دورِ قدیم میں ادب کا حصہ نہ بن سکے اور آج بھی عجزِ علم کے باعث استعمال میں نہیں آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر قطبِ شمالی و جنوبی میں چند شب و روز ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہاں قدرت کا یہ کرشمہ قابلِ دید ہوتا ہے کہ تیرگی کے دوران روشنی کی وہ رنگ برنگ شعاعیں جو آفتاب کے ساتوں رنگوں سے مشتق ہوتی ہیں، وہاں کی برف پوش سطح کو کبھی سبز اور کبھی نارنجی اور کبھی زرد شعاعوں سے جھلملا کر دیتی ہیں انہیں قطبِ شمالی میں AURORA BOREALIS، اور قطبِ جنوبی میں AURORA AUSTRALIS کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان لمعاتِ رنگ رنگ کو

عصام نے پہلی بار اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

لمعاتِ رنگ و نور بہ قطبین ضو فشاں
یک رنگِ دل پذیر ز رنگِ ہزار دوست

اِس فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ اپنے مشاہدے کو روشناس کرانے کی جتنی داد دی جائے وہ کم ہے۔

فارسی ادب میں تشبیہات و کنایات کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے مگر محبوب کے شباب کو صحت مندیٔ مزدور سے تشبیہہ دینا بالکل نئی بات ہے :۔

شرابِ حسن آید شبنم آسا
شباب او صحت مندیٔ مزدور

ہمارے عہد کے تقاضے ماضی سے مختلف ہیں۔ چونکہ عصام کی شاعری آج کے ماحول میں سانس لے رہی ہے اس لئے آج کی دُنیا میں رونما ہونے والے اہم موضوعات ان کی شاعری کا حصہ بن گئے ہیں۔ لبنان میں اسرائیلی وزیر اعظم بیگن نے فلسطینی مسلمانوں کو جس بربریت اور بہیمیت کے ساتھ ظلم و تشدد اور قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا آج کے شاعر پر اس کا شدید ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ عصام نے اس ردِ عمل کو جس طرح شعری قالب میں سمویا ہے وہ انہی کا حصہ ہے :۔

این مقتلِ سیاہ کہ بیگن کند بپا
از قتلِ بے گناہ بہ قتالہ می رود

قلب گداز، چشم نم اور سوزِ دل کے مضامین سے فارسی شاعری کا دامن بھرا پڑا ہے مگر قلب کا برف بننا اور اس عمل کو ژالہ باری سے تعبیر کرنا یقیناً نئی بات ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عصام فارسی ادب میں نئے نئے تجربوں کے قائل ہیں۔ اس نئے پن کو اس مصرعہ کے حوالے سے پرکھا جا سکتا ہے :۔

از برفِ قلب ریختہ چوں ژالہ می رود

اُن کی ایک نظم بعنوان "ہوا" میں مقامی اثرات و عوامل کی کارفرمائی اس طرح نظر آتی ہے کہ وادیٔ کاغان میں "لولوسار" کا حسین و جمیل مقام ہَوا کی جولانی کے لئے سنبل زار بن جاتا ہے۔ اس نظم کا صوتی آہنگ بادِ سَحَر کی طرح ایک ایک شعر میں خراماں نظر آتا ہے :۔

تو قاصدِ رنگِ رعنائی تو عکسِ شرارِ یار ہوا
تو نغمۂ دلکش دردُنیا تو سنبلِ لولوسار ہوا

اوکسیجن کے بغیر اس جہانِ رنگ و بو میں زندگی کا تصور بعید از امکان ہے۔ ضرورت تھی کہ ہماری ادبی روایت کو سائنسی حقیقتوں سے آشنا کیا جائے۔ عصام نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں اور سائنسی عرفان کی مدد سے تغزل کے سانچے میں اس طرح ڈھالا ہے :۔

فرہنگِ متاعِ اوکسیجن خود رنگِ بہارِ حسن چمن
سرسبزیٔ باغِ حیواں را تو واحد وجہِ قرار ہوا

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عصام کی شاعری میں معروضی اور مقامی بصیرت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ انہوں نے حسنِ فطرت کو مزین کرنے میں مقامی حالات و واردات اور صبح و شام کی کیفیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس طرح فارسی اور اردو کے درمیانی خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔ عصام ان مشہور شخصیات، مقامات اور ان کے حقائق کو استعارات کے ذریعے اپنی شاعری میں داخل کرتے ہیں جن کا سراغ ہمیں عربی، فارسی اور ترکی ادب میں بھی نہیں ملتا، مگر مغربی ادب میں ان کا ذکر موجود ہے۔ مثال کے طور پر اپیسو ٹمن کے نقطے کو انہوں نے کس طرح شعری قالب میں سمویا ہے :۔

در دلِ صد چاک دارم صدمۂ اخلاقِ دوست
می کند چوں اپیسو ٹمن خونِ صد گل خانہ ہم

"از حرف تا بہ حرف" میں ہمیں ان کا ایک قطعہ بھی نظر آتا ہے یہ آپ بھی سنیئے :۔

ہر کہ سرقہ کند ایں دولت و سرمایۂ ما
ہیچ حاصل نہ کند عقرب بے مایۂ ما
لیکن آں شخص کہ شب خون زدہ بر آیۂ ما
موردِ قتل شود دفترِ بے سایۂ ما

یہاں بھی "عقرب بے مایۂ ما" اور "دفترِ بے سایۂ ما" سے انہوں نے مصرعوں میں کتنی ندرت پیدا کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ قطعہ بڑی اہمیت کا مالک ہے کہ اس میں شیکسپیئر کے الفاظ کو پہلی بار فارسی کے قالب میں اتنی خوش اسلوبی اور فنّی مہارت کے ساتھ ڈھالا گیا ہے:۔

HE WHO STEALS MY CASH STEALS TRASH.
BUT HE WHO ROBS ME OF MY HONOUR
ROBS ME OF EVERY THING.

عصام کی فارسی شاعری کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ پہلو پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ اس کی بنیاد خالصتہً مستی اور وجدان پر ہے۔ یہی سبب ہے کہ روانی، نغمگی، بہاؤ، سبک روی، لطافت، استعاراتی تنوع، کیفیت، عشق اور جوانی کے خد و خال کی دھوپ چھاؤں اس کے بنیادی عناصر ہیں۔ مستی میں لڑکھڑانا مستی کا بنیادی جزو ہوتا ہے اور وجدان کی رَو میں ٹھہرنے اور غور کرنے کی مہلت بہت کم ملتی ہے۔ ان کی شدّتِ وجدان کا دھارا دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ قاری کو بھی اپنے ساتھ بہائے جاتا ہے۔ مفہوم و معانی کی مقررہ سرحدیں وسیع ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہیں اور الفاظ کے لغوی اور وضعی پیمانے اُن کی فکری معنویت کی ناپ تول سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہمیں اپنی انفرادی معرفت اور ذاتی عقلِ سلیم کا فیصلہ قبول

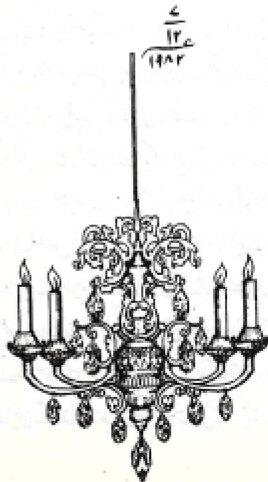
کرنا چاہیئے۔

مضمون کی طوالت کا ڈر ہے ورنہ جی تو چاہتا ہے کہ ان کی ہر غزل اور نظم سے دو چار شعر آپ کی بصیرت و بصارت میں اضافے کے لئے پیش کر دوں۔ اس کا ملال رہے گا کہ ان کے بارے میں جیسا میں چاہتا تھا اس کا حق ادا نہ ہوا۔ بہر حال اس مضمون میں یہ کوشش ضرور کی گئی ہے کہ قارئین ان کے مزاجِ شعری کی نادرہ کاری سے کسی حد تک متعارف ہو سکیں۔

یہ تھا جناب عصام کی فارسی تخلیقات کا ایک سرسری جائزہ۔ اب یہ قارئین کی ذمہ داری ہے کہ وہ "ازحرف تا بہ حرف" کا مطالعہ کر کے عصام کی جدید اور متنوع فارسی شاعری کی ہیئت، صورت، معنویت، ندرت اور تہہ داری کا اندازہ لگائیں۔

شاعر لکھنوی

۷
۱۲
۱۹۸۲



حکیم مشارق احمد خاں

عصام کی فارسی شاعری

عصام صاحب سے میری پہلی ملاقات ایک ادبی محفل میں ہوئی وہ اس قسم کی محفلوں میں شاعر ہونے کے تعلق سے اکثر شریک ہوتے ہیں، لیکن مجھے اپنے ذاتی حالات کی وجہ سے ایسی محفلوں سے محظوظ ہونے اور شعراء پر دادِ تحسین کے پھول نچھاور کرنے کے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔ بہر نوع جس محفل کا ذکر ہے اس میں مجھے ایک اُبھرتے ہوئے شاعر کے فن پر بصورت مقالہ "داد" دینے کی ذمہ داری سپرد ہوئی تھی۔ میں داد اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں خود کو ادب کا صرف ایک ادنیٰ قاری سمجھتا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے نہ فنِ تنقید کے رموز و نکات سے آگاہی کا دعویٰ ہے اور نہ کسی طور نقاد ہونے کی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ بہ ایں ہمہ دیگر شرکائے محفل نے تو اس مقالہ کو شاعر کے فن پر موزوں تبصرہ کہہ کر جس حد تک میری حوصلہ افزائی ہو سکتی تھی کی، لیکن عصام صاحب کو میرا یہ مقالہ اتنا پسند آیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بن گیا، بلکہ میں اسے اپنی بہت بڑی خوش نصیبی کہوں گا کہ میری اس ادنیٰ سی کاوش نے مجھے عصام صاحب ایسے مخلص انسان کے خلوص سے مستقلاً فیضیاب ہونے کا موقع بہم پہنچایا۔

یہ بھی عصام صاحب کا خلوص ہے کہ انہوں نے مجھ ایسے ہیچمداں کو اپنے مجموعۂ کلام پر تقریظ لکھنے کا اہل سمجھا، ورنہ ایک شخص جو خود اپنی زبان اردو میں سخن فہمی کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکا ہو وہ کسی فارسی زبان کے شاعر کے مقام و مرتبہ کو سمجھنے اور سمجھانے کا کیا حق ادا کر سکتا ہے لیکن بہ تقاضائے محبت تعمیلِ ارشاد کی کوشش کر رہا ہوں۔

جس ادبی محفل کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اس میں جہاں میرے مقالے نے عصام صاحب کی خصوصی توجہ میری طرف منعطف کرائی وہاں میری اولین توجہ ان کی جانب مبذول ہونے کا سبب ایک خاص واقعہ ہو گیا۔ محفل کی کارروائی کے آغاز سے قبل شریکِ محفل اردو کے ایک معروف شاعر نے عصام صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ فارسی کے بجائے اردو میں شعر کہا کریں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اب برصغیر پاک و ہند میں فارسی داں باقی نہیں رہے۔ اس مشورے کا جسے حکم کہنا زیادہ مناسب ہے عصام صاحب پر جو ردِ عمل ہوا اس میں وہ بالکل حق بجانب تھے۔ اس عمل اور ردِ عمل کے نتیجہ میں کچھ دیر کے لئے پوری محفل بدمزہ ہو گئی۔ عصام صاحب سے بعد کی ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ اس قسم کی ناخوشگوار صورتِ حال سے انہیں بارہا دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان کے فارسی کلام پر جہاں مختلف محفلوں اور مشاعروں میں انہیں گلہائے دادِ تحسین سے نوازا گیا ہے، وہاں کبھی فارسی زبان میں شعر گوئی ترک کرنے کے ناخوشگوار پند و نصائح کے خاروں سے بھی دامن الجھایا گیا ہے۔

میرے خیال میں شاعری کے لئے مختلف قسم کی پابندیاں کبھی سودمند ہوتی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ یہ پابندیاں ذہن و فکر کی ہوں یا زبان و بیان کی ہمیشہ اس کی ترقی میں سنگِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ ذہنی اور فکری پابندیوں کا ایک تجربہ تو "ترقی پسندی" کے روپ میں بھی ہو چکا ہے۔ اس ترقی پسندی نے ایک طرف ادب کو کچھ عطا کیا تو ایک مخصوص سیاسی نظریے کی قید نے ادب کو ترقی معکوس کی راہوں پر ڈال دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ادب اور صحافت میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ شاعر پر کسی خاص زبان کی پابندی عائد کرنا تو ذہنی پابندی سے زیادہ غلط بات ہی نہیں عجیب بات بھی ہے، کیونکہ شاعر کے خیالات اس کے ذہن میں مجرد صورت میں نہیں بلکہ الفاظ کے قالب میں وارد ہوتے ہیں۔ ایک عام آدمی غور و فکر کے معاملے میں وہی زبان استعمال کرتا ہے جس پر اسے زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب کبھی اسے اپنے خیالات کو کسی دوسری زبان میں ظاہر کرنا ہوتا ہے

تو اسے پہلے اپنے ذہن ہی میں ترجمہ کرنا پڑتا ہے، شاعر چونکہ عام آدمی کے برخلاف فنکار بھی ہوتا ہے اس لئے اس کے فن کا پیرایۂ اظہار اسی صورت میں زیادہ موثر ہوتا ہے جب اس کے لئے شاعر نے اپنے تصورات ہی کی زبان استعمال کی ہو۔ عام آدمی کی طرح شعرا اپنے فن کے اظہار کے لئے بھی بالعموم اپنی زبان ہی استعمال کرتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ شاعر کو اپنی مادری زبان کے بجائے کسی دوسری زبان کے اندر اظہارِ فن میں زیادہ آسانی محسوس ہوئی اور اسی میں فقید المثال کمالِ فن کا مظاہرہ کیا۔ اردو کے معاملے میں تو ایسی مثالیں عام ہیں۔ آج شاید اردو کے ان شعرا کی تعداد زیادہ ہو جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس قسم کے شعرا کی عمومی سوچ کا اظہار تو بے شک ان کی اپنی مادری زبان میں ہوتا ہے لیکن فن کارانہ سوچ کے لئے زیادہ سہولت کسی دوسری زبان میں نظر آتی ہے۔ ورنہ کون شاعر ایسا ہوگا جو اپنی شاعری کے لئے وہ زبان اختیار نہ کرے جس میں اسے زیادہ سہولت ہو اور جس سے اس کا فن معراجِ کمال تک پہنچے۔ ہاں کبھی کبھار ذائقہ بدلنے کے لیے کسی دوسری زبان میں شعر کہہ لینے کی بات اور ہے۔

محترم عصام صاحب کے معاملے میں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ انھوں نے بھی اپنی مادری زبان کے برخلاف اپنے فن کے اظہار کے لئے فارسی زبان کو ذریعہ بنایا ہے ذائقہ بدلنے کے لئے کبھی اردو میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ غالب کی مانند اپنے جس اردو کلام کو آج وہ قابلِ اعتنا خیال نہیں کر رہے ہیں کل وہی انہیں عظمت کے زیادہ بلند مقام تک پہنچا دے، لیکن فی الوقت تو صورت یہ ہے کہ وہ فارسی زبان کے شاعر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، یہاں میرے پیشِ نظر بھی ان کا فارسی کلام ہی ہے اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں انہیں اسی فارسی میں شعر گوئی ترک کرنے کے بعض اوقات ناخوشگوار مشوروں سے واسطہ پڑتا ہے۔

یہاں میں سوچتا ہوں کہ ان حالات میں عصام صاحب کو غالب کی اس کیفیت کا اندازہ کرنے میں قطعاً دقت محسوس نہیں ہوتی ہوگی جب ان سے آسان کہنے کی فرمائش کی جاتی تھی اور وہ بڑی بے چارگی سے یہ کہنے پر مجبور ہوتے تھے کہ، ع

گر نہ کہوں مشکل، وگرنہ گویم مشکل

عصام صاحب کا معاملہ مشکل کہنے کا نہیں ہے بلکہ زبان کا ہے جو فارسی زبان کی تھوڑی بہت شُد بُد رکھتا ہے اسے ان کے کلام کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ بات صرف فارسی جاننے یا نہ جاننے کی نہیں ہے۔ اول تو برصغیر میں فارسی جاننے والے آج بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں برصغیر پاک و ہند سے باہر تو فارسی جاننے والوں کی ایک خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ ایران کے علاوہ افغانستان کے بھی ایک بڑے طبقے کی مادری زبان ہونے کا اسے شرف حاصل ہے لہذا یہ خیال کرنا کہ فارسی زبان میں شعر کہنے والے شاعر کو قارئین میسر نہیں آئیں گے۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

علامہ اقبال کی فارسی شاعری بھی اسی موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ علامہ نے بھی اپنے اردو کلام سے زیادہ فارسی کلام کو اہمیت دی۔ ان کے پیشِ نظر شاعری کے ذریعے اپنے پیغام کو زیادہ لوگوں تک پہنچانا مقصود تھا اور یہ مقصد انہیں فارسی زبان کے ذریعے حاصل ہوتا نظر آیا اسی لئے اپنے آخری عہد میں ان کی تمام تر توجہ فارسی میں شعر کہنے پر مرکوز ہو گئی۔

بہرحال یہ بات تو طے ہے کہ نہ صرف فارسی شعر و ادب کے قارئین کی کوئی کمی نہیں بلکہ فارسی زبان کا شمار دنیا کی چند اہم زبانوں میں ہوتا ہے۔ خود اردو کا فارسی زبان سے جو گہرا تعلق ہے۔ وہ کسی اردو داں سے پوشیدہ نہیں لیکن آج فارسی ادب پر بات کرتے وقت جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی ہے وہ فارسی زبان کے جدید و قدیم

کا مسئلہ ہے۔ لیکن میں جدید و قدیم کی بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ برصغیر پاک و ہند کے تمام فارسی شعراء کا کلام قدیم فارسی ہی میں ہے۔ متقدمین سے لے کر علامہ اقبال تک بلکہ آجتک سبھی شعراء قدیم فارسی میں شعر کہتے رہے ہیں۔ لہذا ہمارے یہاں جدید و قدیم کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کا تعلق صرف ایران سے ہے۔ ایران میں بھی جدید فارسی کی تمام تر غوغا آرائی کے باوجود حافظ و خیام و رومی و سعدی کی فارسی کا جادو آج بھی وہاں سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ایران کی عام زندگی سے اسے دیس نکالا مل جانے کے باوجود برصغیر کی فارسی ہونے کا شرف اسے آج بھی حاصل ہے، اور عصام صاحب کے کلام کی زبان بھی یہی برصغیر کی فارسی ہے۔ ان کے اس کلام پر کسی رائے زنی سے قبل عصام صاحب کی اس ہمتِ مردانہ کی داد دوں گا جس کا مظاہرہ انہوں نے قدیم علمی و ادبی اور شعر و نغمہ کی پُر از حلاوتِ زبان، زبانِ فارسی میں شعر گوئی اختیار فرما کر کیا ہے، جس میں فردوسی و حافظ، سنائی و عرفی، سعدی و خسرو جیسے عظیم المرتبت شعراء باوجود اس کی حلاوت و شیرینی میں معتد بہ اضافہ کرنے اور اس کی خوبیِ بیان میں چار چاند لگانے کے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور جب ان یارانِ تیز گام کا اس راستہ پر چل کر یہ حال ہے تو محترم عصام صاحب کی حالت کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

عصام صاحب کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے فارسی کی کلاسیکی شاعری ہی سے زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ اور کلاسیکی شعراء سے ہی فنی رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنی کئی غزلوں کے لئے زمینیں بھی انہی شعراء کی پسند کی ہیں جس کا ایک فائدہ تو ان کی شاعری کو یہ پہنچا ہے کہ اس میں بے لگامی پیدا نہیں ہوئی ہے اور وہ ان دیکھے راستوں میں بھٹک جانے سے بچ گئے ہیں۔ وہ جس غیر مادری زبان

میں شعر کہہ رہے ہیں اس کے میدانِ شعر گوئی کی وسعتوں کو دیکھتے اور اس کے راستوں کے پیچ و خم کا اندازہ کرتے ہوئے اجتہاد کرنے کی صورت میں گم کردہ راہ ہو جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے برصغیر کے فارسی شعراء کی اکثریت نے اجتہاد سے بڑی حد تک گریز کیا ہے۔ کم از کم اسلوب کے معاملے میں ایسا ہی رہا ہے۔ فکر کے معاملے میں ضرور بہتوں نے اپنی راہیں تلاش کی ہیں۔ مختصر یہ کہ عصام صاحب کی شاعری کا راہوار جانے بوجھے راستوں پر گامزن ہے۔ البتہ میں بڑے ادب کے ساتھ مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے راہوار کی لگام ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں رکھیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنی انفرادیت نہ کھو بیٹھیں۔

عصام صاحب علامہ اقبال کے برخلاف شاعری کو جزوِ پیغمبری نہیں سمجھتے لہذا ان کے کلام میں کسی خاص پیغام کی تلاش بے سود ہے۔ خود کو وہ محض شاعر سمجھتے ہیں اور اس معاملے میں علامہ شبلی کے ہم خیال نظر آتے ہیں کہ شاعر کے کلام میں کسی پیغام کا ہونا اسے شاعر سے زیادہ خطیب بنا دیتا ہے۔ انہوں نے جو محسوس کیا ہے بیان کر دیا ہے ان کے محسوسات کو کسی خاص نظریے کی عینک لگا کر دیکھنا غیر ضروری امر ہے۔ البتہ ان کے محسوسات پر ان کی ذاتی زندگی کی طرح اسلام کا گہرا اثر ہے۔ اور یہ اثر ان کی فکر میں اس طرح گھل مل گیا ہے کہ بظاہر نظر نہیں آتا۔ اسی چیز نے انہیں خطیب نہیں ہونے دیا، اور ان کی شاعری کے مقام کو برقرار رکھا۔ اگر ان کے کلام پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس کے پیچھے چھپے ہوئے ایک سچے اور مخلص مسلمان کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں کبھی وہ مسلمان بہ دقّت توجہ بھی نظر آتا ہے۔ کہیں اسے قطب و ناہید اور مہ و نیرِ تاباں کے قافلے میں اس قافلہ سالار کو تلاش کرتے دیکھتے ہیں کہ جس کے نور کا یہ سب ادنیٰ پرتو ہیں ؎

قطب و ناہید و مہ و نیرِ تاباں ہمہ شب
لیکن اے نجمِ سحر قافلہ سالار کجاست

کبھی وہ ہماری توجہ قطبین کی طرف مبذول کراتا ہے کہ جہاں چھ ماہ کے دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور رات کی تاریکی میں برف پوش سطح پر قوس قزح کے مانند سورج کی جو رنگ برنگ خوبصورت روشنی منعکس ہوتی ہے اس میں وہ انوارِ الٰہی کو نہ صرف خود دیکھتا ہے بلکہ ہمیں بھی دیکھنے کی دعوت دیتا ہے ؎

لمعاتِ رنگ و نور بہ قطبین ضوفشاں
یک رنگ پذیرد رنگِ ہزار دوست

صفاتِ الٰہی کی ضیا پاشیوں کا اس طرح اظہار فارسی ادب میں یقیناً ایک اضافہ ہے کبھی وہ خطِ کشیدہ ، نگار کے ذریعہ داستان در داستان رنگینیٔ محبوب کا باب کھولتا ہے ؎

تو نسیم نغمہ سرا بگو ہمہ داستانِ وفا بگو
کہ تو خطِ کشیدہ نگارِ ما کہ ہزار جان بہا رہا

عصام صاحب کی ذاتی زندگی میں جو سادگی اور خودداری پائی جاتی ہے اس کا عکس بھی ان کی شاعری میں نظر آتا ہے ۔ یہ عکس بعض جگہ بہت نمایاں ہے ۔ مثلاً ایک جگہ اپنی خودداری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ؎

از کس کہ اے عصام تو درماں طلب کنی؟
تقسیم کار یکہ کرم فرما و درویش بود

ان کی شاعری میں اگر کوئی خاص پیغام نہیں ہے تو وہاں کسی ان دیکھی دنیا کی باتیں بھی نہیں ہیں بلکہ ان کے سیدھے سچے محسوسات ہیں ، بالکل احمد ریاض کے اس شعر کے مصداق ؎

وہی کہا ہے جو دل نے مرے کیا محسوس
مرے کلام میں پریوں کے واقعات نہیں

اور یہ حقیقت ہے کہ ان محسوسات کا خمیر آسمان پر تیار نہیں ہوا ، اسی زمین پر تیار

ہوا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ زمین پر ہونے والے واقعات سے وہ بے خبر نہیں ، وہ اپنے عہد کے حالات سے بھی باخبر ہیں اور اپنے اطراف سے بھی آنکھیں بند کرکے نہیں گزر جاتے مندرجہ ذیل اشعار ان کی باخبری کا بڑا واضح ثبوت ہیں ۔

آں قتلِ سیاہ کہ بیگن کند بپا
از قتلِ بے گناہ بہ قتالہ می رود

در دلِ صد چاک دارم صدمۂ اخلاقِ دوست
می کند چوں ، راسپیوٹن ، خوانِ صد گل خانہ ہم

راسپیوٹن کا استعارہ فارسی ادب میں بالکل نیا پن ہے اور نئے معنی کا ایک باب بھی کھولتا ہے جس کے ذریعے عہدِ حاضر کے کئی راسپیوٹن ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں ۔

عصام صاحب بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ۔ ان کا زیرِ نظر مجموعہ بھی زیادہ تر غزلیات ہی پر مشتمل ہے ۔ لیکن ان کی غزلیات گل و بلبل کے مضامین تک محدود نہیں ہیں اور نہ ہر جگہ انھوں نے رومانی انداز اختیار کیا ہے ۔ اس کے ساتھ وہ غزل کے مخصوص رنگِ تغزل سے بھی کلیتاً دست بردار نہیں ہوتے ہیں ۔ ان کی غزلیں ان کے احساسات وجذبات کی ترجمان ہیں ، ان سے ان کی خوبیِ بیان کا پتہ چلتا ہے ۔ کہیں وہ مکالمے کا انداز اختیار کرکے ایک خاص تاثر و لطافت پیدا کر دیتے ہیں ۔ ان کی غزل کے درج ذیل اشعار اس کی نمایاں مثال ہیں ۔

یک حقیقت حلقۂ زنجیرِ زلف
یک کرامت عادتِ اعجازِ دوست

یک عقوبت منتِ تعریفِ غیر
یک مسرت رغبتِ دمسازِ دوست

یک تصادم از نگاہِ نازِ او
یک تکلم از لبِ اعجازِ دوست

ان اشعار میں مصرعہ کا ایک حصہ اگر سوال ہے تو دوسرا اس کا جواب ـ

یک حقیقت ؟ ــــ حلقۂ زنجیرِ زلف

الفاظ کا ان کے پاس اچھا خاصا ذخیرہ نظر آتا ہے اور انہیں اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار میں الفاظ کی کمی کی شکایت محسوس نہیں ہوتی ہے ۔ ان کے یہاں بعض اچھوتی تراکیب اور نادر تشبیہات و استعارات ملتے ہیں ۔ راس بیوٹن کے اشعار کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔ اسی طرح درج ذیل شعر میں خود حضرت عمر فاروق رض کے فرمودات کی روشنی میں ان کے لئے "سوارِ اسپِ عالم" اور ان کے فاتح اعظم ہونے کے سبب "آیۂ فتحِ مبیں" کے استعارات جدت و ندرت کے حامل ہیں ؎

اے امامِ صد شجاعت فاتحِ یرموک درے

اے سوارِ اسپِ عالم آیۂ فتحِ مبیں

تصوف کے چشتیہ و قادریہ سلسلوں کے آغاز کی جانب حضرت علی رض کی منقبت میں جو نادر اشارے ملتے ہیں وہ بھی ان کی فنی صلاحیت کے آئینہ دار ہیں ۔ کہتے ہیں ؎

در سلوک و در ولایت نگہتِ برجِ عصام

در جمالِ چشت و قادر نزہتِ حسنِ تمام

یا

در طریقت چشت و قادر در شریعت نیز ہم

در نیازِ حسنِ عالم شد بصیرت نیز ہم

کہیں زلف کو شامِ زیارت سے اور چشمِ نم کو صبحِ بدخشاں سے تشبیہہ دیکر ندرت پیدا کرنے کے ساتھ معروضی شاعری کی بھی خوبصورت مثال پیش کی گئی ہے ؎

شامِ زیارت زلف او صبحِ بدخشاں چشمِ نم

آید بہ ما سرورِ رواں چوں نخل ہائے باثمر

کہیں انہوں نے الفاظ کی تکرار سے بھی اپنے کلام میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مندرجہ ذیل اشعار میں الفاظ کی تکرار سے جو حسن و نغمگی پیدا کی گئی ہے اور صنعتِ تجنیس کو جس خوبی سے استعمال کیا گیا ہے وہ قابلِ داد ہے ، ملاحظہ کیجئے :۔

زگلزارِ دلِ رنگیں صدائے دم بدم آید

خزاں کردی خزاں کردی خزاں کردی

یا

حجاب تند بر عارض چہ شعلہ می کند پیدا

شبابِ حسن خود ریزد شہاب آہستہ آہستہ

بعض الفاظ و تراکیب کو انہوں نے بالکل نئے معنی و مفاہیم عطا کئے ہیں جو دورِ حاضر کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہیں ۔ کلام میں جن کی حیثیت علامتی بھی ہے اور حقیقی بھی ۔ درج ذیل اشعار میں "رخشندگیِ قوس نما" اور "خلا" دورِ حاضر کے "تسخیرِ خلا" جیسے اہم معرکۂ جستجو کی جانب بھی ذہن و فکر کی رہنمائی کرتے ہیں ۔ اسی طرح قیروانِ منزل کی نئی ترکیب بھی اپنے اندر نئے مفہوم و معنی رکھتی ہے ؎

لطف از حسن داشت ہمہ رنگِ دل نشیں

رخشندگی قوس نما را بہانہ ساخت

•

نظارہ کرد بر سرِ افلاک مہر و ماہ

ما را چوں دید حسنِ خلا را بہانہ ساخت

یا

ما در سکوتِ چرخ و خلا نکتہ دیدہ ایم

ایں شورِ بے صدا کہ بہ محتالہ می رود

در پیچ و تابِ زلف درا سرارِ نیم شب
در شامِ تیرہ وان منازل نشستہ ای

بعض اوقات وہ الفاظ و تراکیب کے انتخاب میں تخیل کی اس بلندی تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ہم ایسے لوگوں کے ذہن کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ مثال کے لئے میں ان کی مندرجہ تراکیب پیش کر رہا ہوں۔

"ہیچ آید زندگی۔ جانِ صد افکار ہا۔ علاجِ صد وعید۔ جلوہ شہنازِ دوست قبالِ محمد۔ شالِ محمد۔ درِ ششدری۔ اندرشِ ابصارِ ما۔ وسعتِ بیدارِ خود شامِ رخِ داری۔ تازیبہ داری۔ تقصیں باش۔ وغیرہ"

میری ناقص رائے میں اگر وہ اس قسم کی تراکیب کی جگہ عام فہم تراکیب استعمال کریں تو زیادہ مناسب ہے ـــــ اسی نوع کے ان کے بعض اشعار بھی ہیں۔ مثلاً :-

ع : تا ز تحریرِ شما خوابِ گراں برخیزم

ع : ہر منزلِ جمال کہ حامل نشستہ ای

ع : چشمِ الطاف بہ کُن تا بہ نشاں برخیزم

ع : مرسلِ نیاز دارد و وصفِ جمالِ دوست

ـــہ : حاصلِ عرفاں محمد نازشِ تزئینِ دوست
رہنمائی بندگی را منزلِ تکوینِ دوست

میرے خیال میں عصام صاحب اس معاملے میں غالب کی اس دور کی شاعری سے متاثر نظر آتے ہیں جب ان سے لوگ آسان کہنے کی فرمائش کرتے تھے اور وہ ـــہ

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

جیسے اشعار کہنے پر مُصر تھے لیکن جس طرح غالب کی مشکل پسندی ان کے لئے زیادہ

سود مند ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح عصام صاحب کو بھی اس سے فائدہ نہیں ہوگا لہذا میں ان سے بصد احترام عرض کروں گا کہ غالب کی مشکل پسندی سے ممکنہ حد تک گریز کریں ـــــ بہر حال یہ بہت اچھی بات ہے کہ عصام صاحب خود کو اس وقت منتہی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ان کا سفر جاری ہے اور انہیں ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرنا ہیں۔ اور فارسی جیسی زبان میں شعر گوئی اختیار کرکے انہوں نے جس ہمت مردانہ کا ثبوت دیا ہے اس کے تقاضے بہت زیادہ ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ یہ تقاضے ضرور پورے کرینگے عصام صاحب میں نظم گوئی کی بھی کافی صلاحیت موجود ہے۔ اگر وہ اس طرف بھی خاطر خواہ توجہ فرمائیں تو بہت کامیاب ہوں گے۔ ان کی ایک نظم بعنوان "ہما" ان کی قوتِ نظم گوئی کا ایک اچھا نمونہ ہے، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

تو قاصدِ رنگِ رعنائی تو عکسِ شرارِ یار ہوا
تو نغمۂ دلکش درِ دُنیا تو سنبلِ "تو تو سار" ہوا

اس شعر میں وادیٔ کاغان کے حسین مقام تو تو سار نے جہاں مقامی اثرات کو ابھارا ہے وہاں شعر کی معنویت اور نغمگی کو بھی دوبالا کر دیا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں اوکسیجن (OXYGEN) کے لفظ کا استعمال جدید دور کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہے اور شعر میں ایک خاص کیفیت بھی پیدا کر رہا ہے۔

تو گنج متاعِ اوکسیجن خود رنگِ بہارِ حسنِ چمن
سرسبزیٔ باغِ حیواں را تو وجہ وجہِ قرار ہوا

آخر میں نمونے کے طور پر چند ایسے اشعار پیش کر رہا ہوں جن سے ان کے کلام کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

کاکل بہ رخ کشید و صبا را بہانہ ساخت
دستِ حسیں نہاد و حیا را بہانہ ساخت

●

از بندشِ مے نوشی ہرگز نہ گلہ دارم
آں رندِ بلانوشم مے تازہ شکستم من

•

تو چرا جشنِ چراغاں می کنی
غیرتِ صد ماہِ کنعاں روئے تو

•

عجب تقویٰ بدل داری کہ شیطاں ہم شود نازاں
عجب سودا بہ سرداری کہ بازی با خدا کردی

•

کتابِ دل رقم کردی بہ خونِ عاشقاں پیہم
چہ نظمِ دلربا گوئی ترنم چوں صبا کردی

•

ز جذبِ شوق شدہ سہل کارہائے دقیق
گداز سنگِ گراں از نگارشِ نمل است

•

آں مقتلِ سیاہ کہ ہنگن کند بپا
از قتلِ بے گناہ بہ قتالہ می رود

•

دُرِّ عدن در گفتگو طوفاں زا در بحر و بر
نعرہ کناں در زندگی با حکمتِ افسوں فزا

•

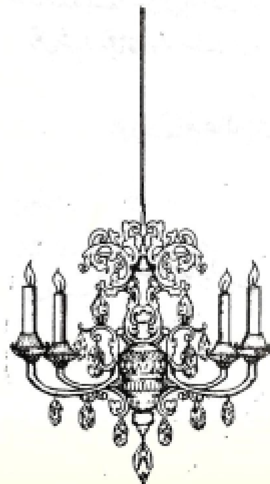
نقشِ قلاشی و محرومی و نایابیٔ زر
ہمہ شوریدہ سری از زرِ زر ساز رسید

•

از نورِ نجم و خاورِ ابیض بیار جام
از حُسنِ بے مثال و دل آرا شباب کن

حکیم مشارق احمد خاں

ایم اے۔ بی۔ ایڈ
فاضلِ طب و جراحت



سنہ طباعت "از حرف تا بہ حرف"

از خامۂ گہربارِ جناب حکیم نثار احمد علوی (علیگ) کہ طبیب۔ شاعر۔ نثر پرداز۔ نقاد۔ تاریخ دان و تاریخ گوئے بے مثل است ارزانیٔ لطف فرمودہ تاریخ طباعتِ ایں کتاب ما پیدا کردہ است۔ تاریخ را در بندشِ شعر گرفتہ تضمین برشعرِ ما کردہ است کہ درج ذیل است۔ متشکرم۔

"ماخندہ ہائے گلشنِ زیبا نوشتہ ایم
رقصِ شرر ز سرخیٔ غازہ نوشتہ ایم"

محمد عصام عظیم آبادی

(صفحۂ دِگر)

قطعہ تاریخ از حکیم نثار احمد علوی

"از حرف تا بہ حرف" نوشتہ عزیزِ ما
زاں سوز و سازِ عشق و محبت چشیدہ ایم
از کیف و مستیٔ مے شیراز اے نثار
ماہم زنوکِ خامہ چہ گل ہا شگفتہ ایم
ما در تلاشِ سالِ طبع فکر چوں کنیم
یعنی اسیرِ رنج و غمِ دل گرفتہ ایم
گفتند "اہلِ دل" کہ بخواں مصرعۂ عصام
"ماخندہ ہائے گلشنِ زیبا نوشتہ ایم"

۱۹۸۳ء = ۷۰ + ۱۹۱۳

حکیم نثار احمد علوی (علیگ)
مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۸۳ء
(یومِ پاکستان)

محمد عصام عظیم آبادی

عرضِ شاعر

پاکستان میں فارسی

(جواز و دلائل)

زبان فارسی میں شعرگوئی پر آج کل ایک مخصوص اعتراض کا رواج چل نکلا ہے وہ یہ ہے کہ "جب فارسی یہاں کوئی نہیں جانتا تو اس میں شعر کہنا عبث ہے" درج ذیل سطور میں وہ جواز و دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ یہ مفروضہ عامیانہ بھی ہے، اتہام بھی اور غلط بھی۔ پاکستان یا اسکول کی سطح تک تو فارسی تقریباً ختم ہو چکی ہے مگر جامعات اور دانش گاہوں میں اب بھی موجود ہے۔ فارسی زبان دانی کے متعلق تا حال یہ طریق رواج اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ فارسی میں درک رکھتا ہوں اور کتب ہائے فارسی زیرِ مطالعہ رہتی ہیں "مگر اب یہ دعویٰ بالعموم نہیں کیا جا سکتا۔ گلستان۔ بوستان آمدنامہ۔ پندنامہ اور کریما وغیرہ اب داستانِ پارینہ بن چکی ہیں۔ لہذا اب یہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی فارسی نہیں جانتا تو اس کے سننے اور سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (حالانکہ فارسی جاننے والوں کی اب بھی کثیر تعداد موجود ہے) بہ ظاہر تو یہ جذباتی فیصلہ درست نظر آتا ہے۔ مگر یہ حقائق

پر مبنی نہیں ہے۔ تمام کے تمام ان مشاعروں میں جن میں راقم الحروف شریک ہوا اور اشعار بھی سنانا پڑے میں نے یہ دیکھا کہ فارسی شاعری کے مخالف چند اشخاص ہیں جو احساسِ کمتری کے شکار ہیں۔ محفلِ شعر میں اشعارِ فارسی بصورتِ نعت۔ منقبت۔ غزل یا نظم جب بھی پڑھے گئے تو انتہائی پرخلوص طور پر کچھ یوں داد ملی کہ لوگ ششدر رہ گئے۔ اشعار بطور آٹوگراف بھی لئے گئے اور جرائد میں بھی طبع ہوئے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ اکثر شعری اجتماعات ایسے علاقوں میں منعقد ہوئے جہاں کا تعلیمی معیار اتنا بلند و بالا نہیں تھا جتنا کہ اکثر ترقی یافتہ علاقوں کا ہوتا ہے، اور سامعین میں تقریباً سب ہی لوگ فارسی سے باقاعدہ تعلیمی رشتے میں کبھی منسلک نہیں رہے۔ ایک محفلِ مشاعرہ میں جو ایک عرس کے سلسلے میں منعقد ہوئی تھی اکثریت کم خواندہ نظر آتے، جو فارسی کیا اردو سے بھی تعلیمی تعلق واجبی سا رکھتے تھے۔ مگر موجود شعرا میں فارسی کلام پر جو داد اس حقیر کو ملی وہ آپ اپنی نظیر تھی۔ ایسا کیوں ہوا؟ بظاہر تو اس میں تضاد نظر آتا ہے مگر چشمِ بینا کے لئے ایک خوبصورت کرشمۂ مطابقت و ثبات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اردو در حقیقت فارسی ہی کی دخترِ نیک اختر ہے۔ اس میں الفاظ و محاورات تشابیہہ۔ استعارے۔ بندش و اضافت۔ نشست و برخاستِ الفاظ۔ گرفتِ مضمون۔ معنویت۔ نغمگی و ترنم۔ فکر و تفکر۔ فصاحت۔ سلاست و بلاغت اور صنائع و بدائع فارسی ہی سے زیادہ تر لئے گئے ہیں۔ پاکستان میں مزید بر آں اردو ادب (انشائیہ و نظم) بہ مقابلہ ہم عصر ہندوستانی اردو کے زیادہ فارسی آمیز ہے، اور یہ فارسی آمیزی طبیعت پر گراں نہیں گذرتی۔ ماسوا اس کے اساتذہ کے اشعار خصوصاً امیر خسرو۔ سعدی۔ حافظ۔ جامی۔ قاآنی اور مولانائے روم کے عارفانہ اور عشقیہ کلام نعتیں اور دیگر اشعار آج بھی اگر مقبول نہ ہوتے تو

ریڈیو، ٹیلیوژن، رسائل و جرائد سے یہ کب کے محو ہو چکے ہوتے۔ آج بھی قوالیوں اور دیگر محافلِ نغمہ و سرود میں جب:

"نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم"

"تو ئی سلطانِ عالم یا محمدؐ" یا

"صد ہلالِ عید قربانت کنم ٭ بر ہلالِ ماتم ابروئے تو"

گائے جاتے ہیں تو لوگوں کی حالت وجد آگیں ہو جاتی ہے، اور وہ سرور و کیف میں ڈوب جاتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی، حضرت لعل شہباز مست قلندر سہون شریف، بابا فریدالدین گنج شکر پاک پٹن شریف، حضرت بری امام اسلام آباد اور ملتان و ٹھٹھہ کے بزرگانِ خوابیدۂ عدم کے مزارات پر شب و روز یہی کیفیت رہتی ہے۔ اگر لوگ فارسی سے یعنی سہل قسم کی پاکستانی فارسی سے بالکل نابلد ہیں تو پھر اس کیف و سرور کے کیا معنی؟ یہاں کے عوام انگریزی یا جرمن نغموں کو سُن کر کیف میں کیوں نہیں ڈوب جاتے؟ وجہ ظاہر ہے فارسی زبان ہمارے کلچر کا آئینہ ہے اور اردو بہت حد تک فارسی اور عربی کے لفظی و معنوی ملبوس میں جامہ زیب ہو کر ہم رنگ نظر آتی ہے ہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ افعال (VERBS)، مصادر، کچھ الفاظ، تمثیلات و محاورات اور ان کے برتنے کے بعض انداز ہندی کے ماخذ سے اردو کو ورثے میں ملے ہیں، مگر ان کی تعداد بجز افعال و مصادر کے قلیل ہے۔ مثلاً ہندوستان میں پچھم۔ پورب۔ اُتر۔ دکھن ادبی نگارشات میں بالعموم مستعمل تھے۔ پاکستان میں مغرب۔ مشرق۔ شمال و جنوب کے علاوہ اور کوئی اصطلاح عام طور پر مستعمل نہیں ہے۔ تفاوت "، "جبل"۔ "اطلاق"۔ "تمہ"۔ اربعا اور "زال" اردو سے ہند میں نہ پہلے مستعمل تھے اور نہ آج ہیں۔ یہاں سندھی زبان کے طفیل جس کا

ماخذ خالص عربی ہے روزمرہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ لہذا آسان فارسی اور فصیح و بلیغ اردو میں صرف "شد"۔ "بُد" ہی کا فرق رہ جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ کیوں نہ پاکستانی فارسی کو پسند کریں جس کا نغمہ و ترنّم لافانی اور معنوی خد و خال لاثانی ہیں۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ چند ہندی رسم و رواج اور زبان کے دلدادہ حضرات اردو کو قتل کرنے میں دل و جان سے لگے ہوئے ہیں۔ گرچہ ان کی تعداد خوردبینی ہے مگر وہ اپنے مشن پر کاربند ہیں جو یہ ہے کہ ہندی الفاظ کو ٹھونس کر مسلمانوں کے اسلامی مزاج، کلچر اور زبان کو ہندوانہ بنا دیں۔ ایسے حضرات کے متعلق مزید کچھ کہنا بیکار ہے، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔

حاصلِ گفتار یہ ہے کہ فارسی کم از کم اشعار، نثری محاورے اور ضرب الامثال کی حد تک پاکستان کے مسلمانوں کی متاعِ عزیز ہے۔ آج بھی وہ اپنی ہمہ گیر شیرینیت سے جذبات کو متحرک کرتے ہوئے روحانی اور ذہنی اقدار کے نغمے سنا رہی ہے وہ وجد آفریں بھی ہے اور حسین و جمیل بھی اور انگریزی کا یہ مقولہ کچھ ترمیم کے ساتھ اس میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔

"THE SHIP OF PERSIAN HAS WEATHERED MANY A STORM AND IS STILL SEA WORTHY."

"یعنی زبانِ فارسی کا جہاز ہزاروں طوفانوں سے نبرد آزما رہا ہے اور اب بھی قابلِ کشتی رانیٔ بحر ہے۔"

ایک حالیہ مشاعرے میں جب فارسی کے یہ اشعار سنائے گئے تو سامعین کے چہروں پر عجیب جذب و کیف کے آثار نمودار ہوتے اور وہ جھوم اُٹھے:

خیالاتِ رنگیں اثر می فروشم
ز راهِ نظر رہگذر می فروشم
ز خوشبوئے جاناں نفس مشک و عنبر
شمامِ نہاں منتشر می فروشم

واقعہ یہ ہے کہ فارسی کے اشعار اردو کے مساوی بلکہ اس سے کچھ زیادہ پسند کئے گئے اور حق تو یہ ہے کہ سلیس اور مرصع اردو خود فارسی کے سہلِ ممتنع کی ہم شبیہ دہم کاب ہے یکلمی سے شانہ بشانہ قدم رہ جاتی ہے اور اکثر اوقات وہ بھی نہیں جوش ملیح آبادی کا ایک شعر ہے :-

"ہر غنچہ کہ رقص کناں ہے بہ طرحِ نو"
"چشم و چراغِ سلسلۂ قدسیاں ہے آج"

اس شعر میں "آج" اور "ہے" کے سوا کون سی چیز ہندی کی ہے؟ علاوہ اس کے غالب، علامہ اقبال اور دیگر متاخرین، متقدمین اور دورِ حاضرہ کے شعراء کے بھی ہزاروں اشعار کی نشان دہی کی جا سکتی ہے، جن میں فعل، حرفِ عطف یا حرفِ ربط وغیرہ تو ہندی کے ہیں مگر باقی سب فارسی ہی فارسی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے مثالیں نہیں دی جا رہی ہیں مگر متجسس نگاہوں کو معمولی تلاش کے بعد بہت سارے ایسے اشعار مل جائیں گے یا خود لوگوں کی یادداشت میں پہلے سے محفوظ ہوں گے تو اس سے کیا یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ دونوں زبانیں یک جان ہیں اور ایک ہی قالب میں جلوہ افروز نظر آتی ہیں۔ ایسے ہزاروں اشعار و نثر پارے شعرا اور ادبا کے پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں صرف "ہست و بود" لگا دیئے جائیں تو عجیب الطرفین فارسی بن جائیں۔ اور ویسے بھی یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ فارسی کی رکاب بردار تو اردو روزِ اول ہی سے

رہی ہے۔ فارسی مسلمانانِ پاک و ہند کے اقدار و تمدن کی حامل و ضامن ہے۔ ہماری تہذیب کے بحرِ مواج میں تلاطم کی طرح ہیجان انگیز ہے۔ ہمارے کلچر پر سایہ فگن ہے اور بلادِ اسلامیہ سے ظاہری اور باطنی تعلق کی مظہر ہے۔ عربی زبان و مزاج خونِ دل بن کر فارسی اور اردو کی رگ و پے میں رواں دواں ہے۔ ترکی زبان کے بعض وہ الفاظ جو خالصتاً ترکی النسل ہیں اردو اور فارسی میں پائے جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اردو کے عہدِ طفولیت میں ترکی الفاظ براہِ راست اس زبان میں داخل ہو کر زباں زدِ عام ہو گئے ہیں۔ اس کی اول ترین مثال تو خود لفظ "اردو" ہے۔ علاوہ اس کے باجی۔ دادی۔ نانی۔ اتا۔ قلچہ۔ آلوچہ۔ طپنچہ اور صندوقچہ۔ مشتے از خروارے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح ترکی کی چاشنی سے بھی یہ زبان مالا مال ہے۔ مگر ان اسلامی زبانوں کے امتزاج کے معاملے میں سب سے بڑا حصہ فارسی ہی کا ہے۔ اس لئے اردو آج مزاجِ یار کی رہوار ہے اور مقبول ہے اور انشاء اللہ تعالٰی مقبولِ عام رہے گی لہٰذا فارسی کو ماں اور اتالیق کی حیثیت سے زندہ و پائندہ رہنا ہے۔ مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہمارے یہاں زندہ و جاوید وہی فارسی رہے گی جو سادگی لئے ہوئے اردو کی ہم شبیہ ہو۔ جدید یا ثقیل فارسی نہیں، بلکہ پاکستانی فارسی، جس کی تعریف صرف یہ ہے کہ وہ سلیس اور بلیغ اردو سے مطابقت اور مماثلت رکھتی ہو۔

ایک اور قضیہ جسے بہت اچھالا گیا ہے وہ فارسی جدید اور فارسی قدیم یعنی "کلاسیکی فارسی" کا ہے۔ اس دعوے کا مخزن و سرچشمہ بزعمِ برتری "اہلِ زبان" یا "غیر اہلِ زبان" ہونے کا تصور ہے۔ اس مفروضۂ بے معنی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اپنی موت آسانی سے مر جائے گا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت

ہے کہ فارسی درآمد شدہ از ایران و افغانستان ہے۔ بلکہ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ
فارسی افغانستان اور ماوراء النہر کے علاقوں سے مسلم فاتحین کے ساتھ سرکاری زبان
کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوئی۔ ایران سے بالخصوص اور دیگر
ممالک سے بالعموم شعرا، اُدبا، بزرگانِ دین اور دیگر مشاہیرِ علم و فن کی آمد کا
سلسلہ اس میں مزید چار چاند لگاتا رہا۔ یہاں کے مردم خیز خطّے میں اس کی اتنی
عمدہ نشوونما اور آبیاری ہوئی کہ یہ ابنائے وطن سے مختلف ہو کر بالکل نئی شخصیت
کی مالک بن گئی۔ فارسی کی درآمد کا یہ سلسلہ اورنگ زیب عالمگیرؒ تک قائم رہا
اور اس کے بعد خفیف تر ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ تا آنکہ اسی درآمد شدہ زبان
نے برصغیر پاک و ہند میں اور اس کے پیشتر افغانستان سے لیکر بلخ۔ بدخشاں، سمرقند
یارقند اور بخارا وغیرہ میں مقامی، لسانی، جغرافیائی، سماجی، معاشرتی اور دیگر
موروثی اثرات قبول کرتے ہوئے نئے اوطان کی پوشاکیں زیب تن کیں
لہذا اس کا مزاج بدلا۔ چولا تو وہی رہا مگر مقامی حالات و کوائف کا تشخص
اُبھر کر سامنے آیا۔ اب فارسی فقط متاعِ ایران و افغانستان ہی نہیں رہی۔
بلکہ جنسِ عام بنکر کوچہ یار میں آگئی۔ اہلِ زبان صرف ایرانی و افغانی
وغیرہ ہی نہ رہے بلکہ جہاں جہاں فارسی نے رواج پکڑا وہیں مقامی اہلِ
زبان پیدا ہو گئے۔

طوالت کے خوف سے مثالیں پیش نہیں کی جا رہی ہیں مگر ایک طائرانہ
نگاہ اس حقیقت محکم تک پہنچا دے گی کہ مرزا عبد القادر بیدل عظیم آبادی
امیر خسرو۔ عرفی۔ نظیری نیشاپوری۔ ابو الفضل فیضی۔ حضرت شرف الدین
احمد یحیٰی منیریؒ۔ غالب۔ طالب۔ حزیں اور دیگر مشاہیر سے لیکر علامہ اقبال
شبلی نعمانی۔ غنی کاشمیری۔ گرامی جالندھری۔ ہادی مچھلی شہری۔ جگر مراد آبادی

ابو الاثر حفیظ جالندھری۔ پیر صاحب گولڑہ شریف۔ جناب طالب المولیٰ۔
(ہالا سندھ) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم۔ عابد علی عابد اور جناب رئیس امروہوی تک
فارسی کی قندیلیں روشن رہی ہیں جو آج بھی ضوفشاں ہیں۔

اولیاء اللہ اور اصفیائے کرام نے نعتیہ اور عشقیہ شاعری اور سماع
کی محفلوں کے ذریعے اس کی خدمت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ مسلم سلاطین
ہند میں سے اکثر صاحب تصنیف حکمرانوں نے بھی اس کی خدمت کی ہے۔ رقعاتِ
عالمگیری اور تزکِ بابری وغیرہ سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فی زمانہ جناب
رئیس امروہوی کا مقام مہرِ درخشندہ سے کم نہیں۔ متعدد دیگر شعرا اور ادیب
جن میں راقم الحروف بھی شامل ہے اس کو بصد ذوق و شوق تخلیقِ جدید اور فکر نو
سے نواز رہے ہیں۔ انگریزی کا مقولہ ہے:

"THERE ARE SO MANY TREES
THAT NO BODY SEES THE WOOD."

(یعنی کثرتِ اشجار سے نظارہ ایسا ماند پڑا ہے کہ حقیقی جنگل کو
تو کوئی دیکھ ہی نہیں رہا ہے۔)

بالکل یہی حالت دورِ حاضرہ میں فارسی شعرا اور نثّار کا ہے۔ کسی چیز کو
اگر کوئی نہیں دیکھتا ہے تو اس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس شے کا یکسر
وجود ہی نہیں ہے۔ آج بھی یہ زبان اس ملک میں بلکہ برصغیر میں پوری تابناکی
سے دیدۂ حیراں کو خیرہ کر رہی ہے اور ارتقا کے نئے سانچوں میں ڈھل
کر یہ زبانِ اہلِ زبان بن گئی ہے اور آج یہ قلب و دماغ کو بے پناہ روشنی
بخش رہی ہے۔ ایران و افغانستان وغیرہ سے اس کا رشتہ منقطع ہوتے
کے بعد ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ہماری فارسی زندہ و پائندہ ہے۔

"من بیدل بہ خم خانہ رنج جانانہ می غنیم"

آج سے تقریباً دو سو سال قبل ساحلِ انگلستان سے تین جہاز سمتِ مغرب روانہ ہوئے۔ ان کا علم بردار (FLAGSHIP) بے فلاور (MAY FLOWER) نامی جہاز تھا۔ اس کاروانِ مضمحل نے انگلستان کے مہاجرین کو امریکہ مستقل کرنے کا آغاز کیا۔ زبان ان مہاجرین کی وہی تھی جو انگلستان کی تھی۔ مگر آج دو صد سال گذرنے کے بعد امریکن انگلش اور برطانوی انگلش میں تفاوتِ قطبین ہے۔ اسی طرح کناڈا۔ اسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ وغیرہ کی انگریزی نئی سرزمین اور نئے اوطان کے رنگ سے فشنگ ہو کر علیحدہ اور منفرد ہو گئی ہے۔ برطانوی انگریزی سے اب ان کا اتنا ہی واسطہ ہے جتنا پاک و ہند کی فارسی کا موجودہ ایرانی فارسی سے۔ مگر کوئی انگریز یہ اعلان نہیں کرتا کہ "اے انگریزی بولنے والو یاد رکھو کہ اہلِ زبان تو ہم ہیں جدید انگریزی میری ہے، تمہاری انگریزی کلاسیکی یا کچھ اور ہے لہذا تمہاری انگریزی مسوخ کی جاتی ہے"۔ یہی حال فرانسیسی (FRENCH) زبان کا بھی ہوا جو سرزمین فرانس سے طویل سفر کر کے کناڈا پہنچی تھی، آج اس کی شکل و صورت فرانس کی فرانسیسی سے مختلف ہے۔ اسپین سے ہسپانوی زبان جزائر غرب الہند (WEST-INDIES) اور جنوبی امریکہ میں مہاجر بن کر داخل ہوئی تھی۔ مگر آج یہ دعویٰ کوئی ہسپانوی نہیں کرتا کہ اسپین کی ہسپانوی اور جنوبی امریکہ کی ہسپانوی زبانوں میں چونکہ فرق ہے اس لئے جنوبی امریکہ کی ہسپانوی کوئی زبان ہی نہیں۔ عربی زبان جب اپنی جائے مولود سے نکل کر مصر پہنچی تو بے گھر، اجنبی اور مہاجر تھی مگر آج مصر کی عربی بہ شمول لب و لہجہ دیگر عرب ممالک کی عربی سے مختلف ہو کر بھی تمام تر زبانِ عربی کی سُر خیل دتا جدار ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصولِ لسان و زبان ہے کہ زمانے کی رفتار کے ہم دوش غیر محسوس طور پر بتدریج حالاتِ خارجی و داخلی کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے اگر زبان بدلتی رہے تو اس کو نیا خون ملتا رہتا ہے اور اس کا حُسن ماند پڑنے کے بجائے اور بھی درخشندہ تر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ولی دکنی یا اس کے بعد میر تقی میر تک "تک۔ سُوں۔ آتیاں۔ جاتیاں" وغیرہ جیسے الفاظ سے اردو مزین نظر آتی ہے۔ مگر ذوق۔ غالب و شیفتہ سے کچھ قبل ہی اس طرح کے الفاظ متروک ہو گئے اور نئے الفاظ مع نئی تراکیب اردو میں شامل ہوئے۔ بعد میں انگریزی کے الفاظ بھی مستعار آئے مگر اردو نہ بد آہنگ ہوئی نہ بدصورت، اس لئے کہ اس میں عمل ارتقاء فطری تقاضوں کے ساتھ جاری رہا۔ آج اردو ایک تاراج شدہ کھنڈر نہیں بلکہ ایک صولت آفریں شہر ہے۔

آج جو ہندوستان میں اردو مشاعرے، قوالیاں اور دیگر نغمہ و سرود کی محفلیں شد و مد کے ساتھ بپا ہیں اور جو اردو رسائل، جرائد اور اخبارات کی بہتات ہے یا اس زبان کی جو انجمنیں قائم ہوتی جا رہی ہیں ان کا آخری تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ در اصل یہ فارسی کی شیرینیت یا صوتی ترنم اور روحانی کیف سے بہرہ ور ہونے کی شاہ راہیں ہیں۔ اردوئے عام میں فارسی کے الفاظ کچھ اس طرح گھُل مل گئے ہیں کہ نہ صرف ان کی شناخت اب مشکل ہو گئی ہے بلکہ ان کے بغیر فلمی اور دیگر شعبہ جات کے کام چلنے بھی تقریباً ناممکن ہو گئے ہیں۔ بھارتی ریڈیو سے بھی ثقیل ہندی زبان میں نشریات کے دوران "دل" "صبح" "شام" "رحم" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ فارسی ہی ہے جو جسدِ اردو میں خون بن کر دوڑ رہی ہے اور اس کو غیرتِ صد انجمن بنا رہی ہے۔ تمثیلات، واقعات اور استدلال تو بہت ہیں لیکن اس چھوٹے

سے مضمون میں ان پر سیر حاصل بحث ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جوازِ فارسی گوئی کے
سلسلے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے یہ اب ناظرین کی گراں قدر آرا ہی
سے معلوم ہو گا مگر میں خود اپنے آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ:-

اے دل بصد نوازش مجھ کو تو یہ بتا دے
پہنچی نظر کہاں تک چُوکی نظر کہاں سے؟
بلبل کی بھی زباں پر میری ہی داستاں ہے
بگڑی ہوئی ہے لیکن کچھ کچھ یہاں وہاں سے

قبل اس کے کہ یہ مقالہ ختم ہو چند باتیں جن کا ذکر آغاز ہی میں ہونا چاہیے تھا
مگر شکستِ تسلسل کے ڈر سے نہ ہو سکا اب ہو جائے تو اچھا ہے۔

سب سے پہلے کچھ اپنے بارے میں، تاکہ تشنگیٔ تعارف دور ہو۔ میرا آبائی
تعلق صوبۂ بہار (بھارت) کے دو شہروں سے ہے۔ ایک عظیم آباد (پٹنہ)
کے ایک گاؤں کرائے پرسرائے اور دوسرا چھپرہ ہے۔ یہ دونوں مقامات
سلسلہ وار ننھیال اور ددھیال ہیں۔ والد مرحوم کا نام محمد ہاشم تھا جو محکمۂ تعلیمات
بہار میں ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز تھے۔ میری تعلیم کچھ تو چھپرہ میں ہوئی اور باقی
کراچی اور دیگر مقامات میں ہوئی۔ فی الحال درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہوں
میں کس حد تک شاعر ہوں اس کا فیصلہ تو ناظرین کی بلاغتِ نظر کرے گی۔ البتہ میں
خود کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان حضرات کا شکریہ کیسے ادا ہو جن کی محبت، خلوص
تعاون، ہمت افزائی، رہبری اور ایثار کے بغیر اس کتاب کی طباعت خوابِ
پریشاں سے زیادہ پریشان کن بنی ہوئی تھی۔ تقریظ و تبصرہ نگار حضرات میں
اکثریت ان بزرگوں کی ہے جن میں جناب پیر علی محمد راشدی کا فرازِ علمی

جناب رئیس امروہوی کی شمع افروزیٔ تنقید اور جناب شاعر لکھنوی کی نگارش
بہ اندازِ شعرالعجم کی صبر آزما صعوبت گیری مجھ جیسے ہیچ مداں کے لئے کچھ یوں ہے جیسے
خلا کی ناپید پہنائیوں میں کسی نئی کہکشاں کی ضوفشانی۔ حکیم مشارق احمد خان صاحب
تو دوست ہیں اس لئے حسابِ دوستاں در دل کے مصداق خود اپنا شعر جو ان کو
پسند ہے ان کی نذر کرتا ہوں:-

تو نسیمِ نغمہ سرا بگو ہمہ داستانِ وفا بگو
کہ تو خط کشیدۂ نگارِ ما کہ ہزار جانِ بہارِ ما

صاحبانِ بزمِ خلوص کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ کس کا ذکر کروں، اور
کس کا نہیں؟ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہی وہ زندہ دلانِ جذب و سلوک ہیں جو
میری اس منتشر اور حقیر کاوش کو زندگی دیکر کتاب بنانے میں سرتاپا تعاون
بن گئے اور اس شعر کے آئینہ دار بھی:-

”کشودی زلفِ عنبر آگیں جہاں را قیرواں کردی“
”نمودی روئے مہر آگیں زمیں را آسماں کردی“

خدائے بزرگ و برتر ان کو اس سعیِ جمیل کا اجرِ خیر دے آمین۔ میرے لئے
بہر حال یہ حقیقت بہت اطمینان بخش ہے کہ ان صاحبانِ کیف نے میری مدد
فرما کر درحقیقت احیائے فارسی اور تحفظِ ثقافتِ ملی کا وہ فریضہ ادا کیا ہے
جو ان کی، ہماری اور سب کی مشترکہ میراث ہے۔ لہٰذا ان کے اسمائے گرامی
اگر نہیں آسکے تو اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ”نقش و نگارِ طاقِ نسیاں“
ہو گئے۔ اس دورِ پرآشوب میں ایسے رفقاء کہاں ملتے ہیں؟ حافظ شیرازی
نے درست ہی تو فرمایا ہے:- ”دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مئے ناب و سفینۂ غزل است“

مختصر یہ کہ چند نام ان میں سے یہ ہیں :-

۱ - جناب ایوب فہمیؔ

اردو اور فارسی کے شاعر با مہارت ہیں اور انشا پرداز بھی - میرے کتابت شدہ مواد کا دیدہ سوز مطالعہ اور تصحیح (پروف ریڈنگ) ان ہی کے کمالِ ہمت کا نتیجہ ہے - یہ ہی نہیں بلکہ ان کے کارآمد مشوروں کے بارے میں کچھ لکھنا میرے بس کی بات نہیں اس لئے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ :-

تو زغنچہ کم نہ دمیدہ دردل کشا بہ چمن درآ

۲ - جناب خواجہ منظر حسن

بہار شریف کی شرف زا بہاروں کے پروردہ شاعرِ باکمال ، حکومتِ پاکستان کے افسرِ اعلیٰ اور دودمانِ خواجۂ خواجگان کے چشم و چراغ صرف منظر حسن نہیں بلکہ خود آماجگاہِ حسنِ عظیم ہیں - قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرتوں کے حامل اپنی مثال آپ ہیں :-

" اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری "

جناب اشرف حسن

شیشہ سازی کے ماہر یعنی انجینئر مگر شیشہ بازی سے دور پورسلین (PORCELAIN) کی چمک دمک رکھنے والی شخصیت انعامِ خداوندی نہیں تو اور کیا ہے ؟ مظفر پور (بہار بھارت) کی سرسبز فضاؤں کے پروردہ کا تعارف اس شعر سے بہتر اور کیسے ہو سکتا ہے ؟ :-

نہ محتاجم بہ گلگشتِ چمن اے باغباں ہرگز
بہارِ صد چمن بر عارضِ جانانہ می بینم

جناب اشرف محمدؐ

کام تو ان کا دوسروں کو شہرت سے ہم کنار کرانا ہے یعنی ' ADVERTISEMENT ' مگر ندرتِ کمال یہ ہے کہ کسی شاہدِ رعنا کے رومان زار نگوں کو لے کر کارخانوں اور تجارتی اداروں کو عروسِ شام بنا دیتے ہیں - عظیم آباد (بہار - بھارت) کا فنِ تزئین گویا ان ہی کا حصہ ہے - میرے عزیز بھی ہیں اور دوست بھی اور ہم مشرب و ہم خیال بھی

در فضائے رنگ و بوآں دلربا
داستاں در داستاں آید ہمی

جناب محمد سمیع الحق

مینجنگ ڈائریکٹر مرشد انٹرپرائیز کراچی - بہار کے ندرتِ عمل کے حامل اور جدت طرازی میں کامل میرے عزیز ہیں :-

تو میکدہ بہ دستی باکیفِ صد صبوری
دلچسپ و دلربائی با فیضِ صد حضوری

ڈاکٹر سید مقبول احمد

ڈاکٹر صاحب جب حج سے واپس آئے تو میں نے کہا :-

اس سال کا مبارک کیجے کا تم کو حج ہو
یہ بندگی کا جذبہ مقبول ہر نہج ہو

سرزمین بہار (بھارت) کی مسیحائی کے انداز لئے ہوئے اس مملکت پاک کی صبح و
شام کی تابندگی سے معمور وادیٔ سندھ اور بہاولپور کا تبحرِ علم وعمل اور کسی رہبرِ فرزانہ
کی سب نہیں تو کچھ اداؤں کے ساتھ وہ یہ کہتے ہوئے آئے :۔

ذوقِ خیال و خواب را بخشیدہ انقلاب
جوشِ دلِ عصام را احرار کردہ ام

جناب سید محمد یوسف

ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان کی سربراہی کے ساتھ ساتھ علم وعمل،
دین و ثقافت اور حسنِ سلوک کی سربراہی کا جامہ زیبِ تن کئے ہوئے میرے لئے
پکھیلیں بن گئے :۔

چشمۂ فیضِ نظر را تسمِ عنوان دگر
حاملِ نورِ حرم بندہ نوازِ عجیبے

راجہ محمد گلستان۔ بشیر افضل خان۔ مشتاق احمد خان (اردو ڈائجسٹ)

راجہ رحمت۔ شبیر محمد خان نیازی۔ سید مظفر امام۔ سید علاء الدین

شمیم احمد۔ سید اصغر حسین زیدی۔ سید ولایت علی اصلاحی۔

جاوید جبار (ام۔ ان۔ جے۔ ایڈورٹائیزرس) منظور رحیدری۔

امراؤ طارق۔ عذیر احمد۔ حکیم نثار احمد علوی۔ نواب عبدالحئی
وسیم الدین۔ انور سمیع آرٹسٹ اور یوسف تنویر آرٹسٹ
کی شخصیتیں گوناگوں صفات کی حامل ہیں۔ میرے ساتھ ارزانیٔ تعاون کی جو بہتات

ہوئی اس کو یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے :۔

ساقی توئی و سادہ دلی بیں کہ شیخِ شہر
باور نمی کند کہ ملک سے گسار شد

جناب عزیز احمد اور سید ظفر احمد

اوّل الذکر جدہ اور ثانی الذکر لندن میں مقیم میرے عزیز ہیں ان کا
جذبۂ یگانہ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں بحرِ مواج بن گیا :۔

اے کہ با نغمۂ صد حسنِ حجاز آمدہ ای
درج بے نغمہ را تو نغمہ طراز آمدہ ای

جناب ام۔ آئی ارشد (چیئرمین کراچی پورٹ ٹرسٹ)

اس قدر پہلو دار اور ادب نواز شخصیت کے بارے میں تھوڑا بہت لکھ کر حق ادا
نہیں ہو سکتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ :۔

سطوت از کوہ ستانند و بکاہے بخشند
افسرِ جم بگدائے سرِ راہے بخشند

حکیم سید ثناء اللہ (کاتب)

ان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے :

کتابت از ثناء اللہ شراب آسا چو میخانہ
کتابِ صد غزل میخانہ شد میخانہ تر بادا

جناب سید امیر حسین (کاتب)

کتابت کے ساتھ خطابت اور اس کے ساتھ خلقِ عظیم :-

در شرافت عالمِ انساں بود
حسنِ خدمت رہنمائے کارہا

ہمارے رفقائے غم گسار، ہم نوا و ہم قلم اور تقریظ و تبصرہ نگار حضرات
اگر میرے لئے بہ زبانِ فردوسی یہ فرمائیں تو بے جا نہ ہوگا :-

من ام ساختہ رُستمِ پہلواں
دگرنہ یلے بود در سیستاں

محمد عصام عظیم آبادی

۲۰ر نومبر ۱۹۸۳ء



محمد عصام عظیم آبادی

عرضِ شاعر در زبانِ فارسی

فارسی در پاکستان

بحوالۂ برِ صغیرِ پاک و ہند

یک واقعۂ تاریخ ساز کہ در برِ صغیرِ پاک و ہند ظہور پذیر شد این است کہ فاتحین از بلادِ اسلامیہ بصد شکوہ آمدہ ایں خطۂ پسماندہ را کہ پُر از نفاق و شر بود دادگاہِ حق و آماجگاہِ ترقی و ارتقا ساختند۔ بر ایں ارضِ بسیط نعرۂ اسلام را بلند کردہ و بر نوعِ بشر یک بوستانِ سکون و عافیت وا کردہ باشندگانِ کثیر را مشرف بہ اسلام کردند۔ از فتوحاتِ محمد بن قاسم در ۷۱۱ء آغازِ ایں دور پیش شد لیکن زبانِ فارسی با فتوحاتِ سلطان محمود غزنوی اوّل اوّل داخلِ در برِ صغیر شد۔ بعد از ایں سلطان شہاب الدین محمد غوری کہ فاتحِ ہند بود از افغانستان آمدہ فارسی را حرفِ دربار و زبانِ دفتر قرار داد۔ ایں عمل باعثِ ترویجِ ایں زبان شد تا آنکہ زبانِ فارسی کہ مانندِ گلِ نو بہار و آئینۂ چہل داستاں بود در خورِ اہم عوام مقبول گشت و بر زبان ہائے قدیمِ برِ صغیر اثر انداز شدہ آں لسان ہا را کم و بیش فارسی آمیز کرد۔ از نتیجۂ اختلاطِ زبانِ فارسی با لسان ہائے قدیم یک زبانِ نو پیدا شد کہ نامش "اردو" است۔ ایں زبانِ اردو در حقیقت دخترِ فارسی است کہ لاتعداد الفاظ، تراکیب، محاورات، استعارات، کنایات،

محاکات وطرزِ بیانِ فارسی را اختیار کرده فارسی ما است .

فارسی خود بصد آب و تاب ترقی صوری ، باطنی و معنوی کرده و معروف تر گشته
ممتاز شد . شعرائے گران قدر و انشا پردازانِ بلند قامت از ایران ، افغانستان و
ماوراءالنهر آمده بنائے فارسی را مزید استوار کردند . لهذا فارسی که خیلے نرم و
نازک ، لطیف و شیرین و فصیح و بلیغ بود به مقابلهٔ لسان هائے مقامی مفتوح و
ممدوح شد . شعرگوئی در صنف هائے نعت ، منقبت ، مثنوی ، قصیده و
غزل عام شد . تاریخ ها و داستان ها در ضبطِ قرطاس آمدند . تزکِ بابری ، رقعاتِ
عالمگیری و کلیله و دمنه مثالِ چند از فهرستِ طویل هستند .

فاتحینِ ما از ماوراءالنهر از بابر تا بهادر شاه ظفر فارسی را مزید آراسته و
پیراسته کردند . لهذا فارسی بنیادِ راست گرفته تشخصِ نو یافت . این فارسی پیراهنِ
وطنِ دیرینه را باقی داشته ترقی کرد . الفاظ و مصادر و تراکیبِ معنوی و اصطلاحی
که در ایران و افغانستان در آن زمان مروج بودند هنوز در پاک و هند جاری و
ساری هستند . در اصل فارسیِ ما آن فارسی است که در ایامِ حافظ شیرازی
سعدی ، جامی ، قاآنی ، فردوسی ، مولانائے روم ، نظیری نیشاپوری ، رودکی و
عرفی رائج بود در ایران و افغانستان . فارسیِ آن زمان را ما محافظ هستیم که نغماتِ
رنگ رنگ و ترنم هزار دارد . تقریباً هشت صد سال این فارسی را مصنفین و
شعرائے برِ صغیر آبیاری کردند تا آنکه این زبان یک نهالِ بارور شد . بزرگانِ
دین و اولیائے کرام که با روشن ضمیری تبلیغِ دین کردند این زبان را جلا داده
عام کردند . حضرت داتا گنج بخش (لاهور) کشف المحجوب را تصنیف کرد
که اول ترین کتاب بر تصوف است . حضرت امیر خسرو که یک شاعرِ با کمال و صوفیِ
بے مثال بود یک صنفِ نغمه و سرود که قوالی می گویند ایجاد کرد . درین ایام

هزارها دیوان هائے شعر و کتب هائے نثر در ضبطِ رقم آمده اشاعت پذیر شدند .
غزلیات و نعت هائے فارسی در بزمِ سماع از زبانِ قوال چنین طور مطبوع آمدند که
این طریق هنوز زنده و پسندیده مانده است . امروز هم چون :

"نمی دانم چه منزل بود شب جائیکه من بودم"
یا
"من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی"
یا
"خبرے رسیده ام شب که نگار خواهی آمد"

در بزمِ قوالی می سرایند همه کس و ناکس بیخود شده در بے خبری می روند .

در دورِ هشت صد سال فارسیِ برِ صغیر هم تغیر پذیر گشت . حالاتِ معروضی
اقتضائے ذهنی و تنوعاتِ آب و هوا بر این اثر کرد لیکن تغیر کم کم . خال خال و
برائے نام هست . درین اثنا فارسیِ ایران هم تغیر گرفته قدرے دگر شد .
فارسیِ افغانستان مقابلتاً کم متغیر و منفرد شد . در ایران اثراتِ این تغیر
چنین طور نمایاں هست که از فارسیِ قدیمِ ایران (که فارسیِ ما است) قدرے
مختلف گشت لیکن با این همه فارسیِ ما دگر از فارسیِ ایران و افغانستان نیست
اختلاف هست ولے قابلِ عبور . افعال ، مصادر ، تراکیب ، اصطلاحات ، محاورات و
بندشِ وغیره همان هستند که بودند . مثال این است که زبان هائے انگلیسی ، فرانسیسی
و هسپانوی که امروز در امریکه ، کناڈا ، اسٹریلیا ، جزائرِ غربِ الهند و جنوبی امریکه
رواج دارند گرچه خیلے مختلف از لسان هائے برطانیه و فرانس و هسپانیه هستند ولے
یکساں و یک رنگ و هم معنی هستند . یگانگت در اختلاف میانِ فارسیِ برِ صغیر و فارسیِ
ایران و افغانستان چنین است که هیچ مشکل پیدا نه شود . حرف گویانِ این ممالک
حرفِ فارسی گویانِ پاک و هند را خوب بلد اند . بنده (راقم الحروف) در افغانستان
و ایران در فارسیِ پاکستان گفتار کرده است و بر موضوعاتِ مختلف تقاریر هم کرده

بنیز شکل حرف نهی یا حرف زنی. ایرانیان در پذیرائی "بچشم" و "بفرمائید" گفتن شاد کردند.

در عصرِ حاضر احوال این است که شعراء و مصنّفینِ پاکستان در کارهائے شعر گوئی بتصنیف. تالیف و تحقیق در زبانِ فارسی مصروف مانده و افکارِ حاضره را لباسِ زبان عطا کرده اظهارِ کیف می کنند. فہرستِ شعرائے متاخرینِ پاکستان که از جهان رفته اند طویل است لیکن مشتے از خروارے چند نام این ہست:

علامه اقبال (لاہوری) صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم. گرامی جالندھری. حفیظ جالندھری شبلی نعمانی. غنی کاشمیری. جگر مرادآبادی و ہادی مچھلی شہری. نام ہائے چند از شعرائے حاضر در پاکستان این ہستند: رئیس امروہوی. پیر صاحب گولڑہ شریف. حضرت مخدوم محمد الزّماں طالب المولیٰ (رحمۃ اللہ علیہ) عابد علی عابد و بندهٔ حقیر (راقم الحروف)

مختصر این که فارسی ماست که ماست. رنگین و قشنگ و روز و درس این فارسی ما زنده و پاینده و تابنده است و چنین خواهد ماند انشاءالله تعالےٰ.

نه شبم نه شب پرستم که حدیثِ خواب گویم
همه آفتاب بینم همه آفتاب گویم

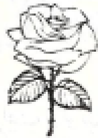
مولانائے روم

در بابِ شاعری ما حرفے ندارم بجز آن که فارسیِ ما چونکه پاکستانی تر است لهذا قدرے مختلف است از فارسیِ ایران و افغانستان. برائے ما این عجیب نیست قشنگ تر است. مبصّرها و نقّادها بر شعرِ ما تبصره خواهند کرد ندکه ما:

این است شاعری به تقاضائے دردِ دل — سوزِ غمِ حیات را اشعار کرده ام

محمد عصام عظیم آبادی

۲۰ر نومبر ۱۹۸۳ء





حمد

اے خدائے دلپذیر و دلنواز و دل پسند
از شرارِ نورِ تو این آفرینش ارجمند

در مصافِ زندگی انسان یک تخلیقِ خاص
عالمِ انسانیت از شانِ تو خود سودمند

در اطاعت در خلافت آدمی معروف گشت
از ثنا و بندگی شد قدرِ انسانی بلند

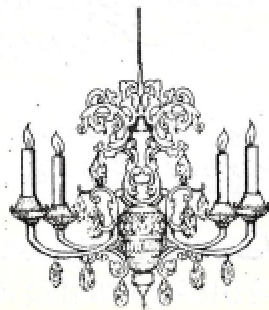
در سجود و در رکوع و در قعود و در قیام
قدرتِ کامل کند ہم عاشقاں را بہرہ مند

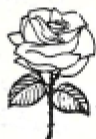
اے خدائے بحر و بر عادل توئی قادر توئی
اے خدائے لم یزل تو خود کریم درد مند

تو لطیف و تو شریف و تو ثبات و تو پناہ
تو نیاز و تو نواز و تو قسیمِ ہوش مند

تو شمیم و تو عمیم و تو ضمیرِ کُن فکاں
تو بشیر و تو نصیر و تو امیرِ نقش بند

ظاہر و باطن توئی حاضر توئی غائب توئی
بر عصامِ صد کرم کن با عطائے فیض مند





نعت

جاں را اشارہ می دہی
دل را شرارہ می کُنی
دریائے بے پایانِ ما
پیدا کنارہ می کُنی

تو مرجبی تو محرمی
تو یثربی تو رحمتی
یا رحمۃ اللعالمیں
یا رحمۃ اللعالمیں

حیران من ام اے جانِ من
حوری توئی یا تو پری
از حسنِ دل آویزِ تو
ہوش و خرد در ششدری

یا مصدری یا مہ جبیں
یا مرسلینِ شہ نشیں
یا رحمة اللعالمیں
یا رحمة اللعالمیں

در ہستیِ بے جانِ من
در کشتیِ ایمانِ من
در وعدہ و پیمانِ من
در عشقِ صد آسانِ من

چوں رحمتِ عالم شدی
کارے نہ دارم از غمی
یا رحمة اللعالمیں
یا رحمة اللعالمیں

دردِ دلِ بیمارِ ما
اشکِ غمِ آزارِ ما
در جذبۂ ایثارِ ما
بر نالۂ اقرارِ ما

مُہرِ محبت می زنی
حاجت روائی می کنی
یا رحمة اللعالمیں
یا رحمة اللعالمیں

مَن در غلامانِ شُما
دارم مقامِ محترم
از فیضِ دامانِ شُما
خوش بخت گشتہ ام صنم

توئی طبیبِ حاذقی
تو دل نشینی یا دلی
یا رحمة اللعالمیں
یا رحمة اللعالمیں

ہر سمت من گردیدہ ام
حسنِ جہاں ورزیدہ ام
ناز و ادا فہمیدہ ام
ناہید و زہرہ دیدہ ام

"لیکن تو چیزے دیگری"
حسنِ مجسم دلبری
یا رحمۃ اللعالمیں
یا رحمۃ اللعالمیں

حکم شما فرمانِ او
آوردۂ قرآنِ او
از رحمتِ دامانِ تو
انسانیت عنوانِ او

یا مظہری یا مرکزی
یا شاہدی یا انوری
یا رحمۃ اللعالمیں
یا رحمۃ اللعالمیں

از حسنِ بے پایانِ تو
اقصائے عالم مقتدر
در حکمتِ تابانِ تو
علم و فراست رہ گذر

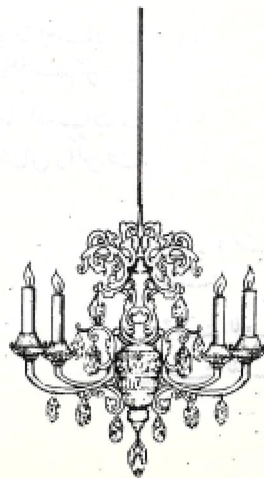
جانِ بہارِ اخضری
روحِ جمالِ اظفری
یا رحمۃ اللعالمیں
یا رحمۃ اللعالمیں

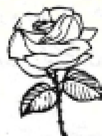
اسلام ما ایمانِ ما
فاروقِ اعظم کُن عطا
در کارِ ما انصاف دہ
ایں ظالماں را کُن فنا

یا تاجدارِ افسری
یا محسنی یا متقی
یا رحمۃ اللعالمین
یا رحمۃ اللعالمیں

من ام عصامِ بے نوا
درعشقِ تو یا مصطفےٰ
زاری کناں صبح و مسا
چشمانِ رحمت برکشا

توشد حبیبِ صادق
تو راز ہائے باطنی
یا رحمۃ اللعالمیں
یا رحمۃ اللعالمیں





نعت

سحر خنداں بہ نورِ خود ہمہ صبحِ معید ایں جا
چنیں شہر است در دنیا کزو آید نوید ایں جا

دریں شہرِ کرم اے دل نگارِ صد نگار آمد
خوشا مکہ کہ بالآخر گلِ سوسن دمید ایں جا

خوشا یثرب کہ سوئے او نویدِ راز دار آید
خوشا وقتے کہ خود آید شمیمِ روزِ عید ایں جا

شمیمِ باغِ دل دارد نظامِ عنبریں مضطر
نسیمِ عطر زا رقصد کہ جشنِ صبحِ دید ایں جا

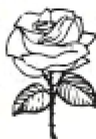
قرارِ حُسنِ جاں گوید کہ آید شہسوارِ دل
نشانِ نقشِ پا گوید کہ مفتاح و کلید ایں جا

خریدارِ محبت را شرارِ حُسنِ دل دولت
ثنا خوانِ عقیدت را ہمہ نظمِ نشید ایں جا

نگارِ نازِ الفت را شرارِ دل نشیں عشق است
نیازِ عاشقاں دارد علاجِ صد وعید ایں جا

عصامِ باوفا آید بصد تکریم و نازِ دل
چہ خوش گفتہ ز خود عرفیؒ بہ اندازِ جدید ایں جا

؎ ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم گشتہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا



نعت

جمالِ خدا شُد جمالِ محمدؐ
ہمہ حالِ دنیا زحالِ محمدؐ

خوشا بزمِ رنداں کہ در عشق و مستی
در آں جا بود قیل و قالِ محمدؐ

نشاط و قرار و سکون و بہاراں
شد ارزاں بہ من از خیالِ محمدؐ

چرا من نہ رقصم بہ پیشِ صنم آں
کہ در عشقِ من اُم بلالِؓ محمدؐ

ہمہ چشمِ عاشق حسیں تر ز لطفش
کہ شد چشمِ حیراں غزالِ محمدؐ

نہ ارزد دو عالم بہ پیشِ نگاہے
نگاہے کہ باشد جلالِ محمدؐ

نہ فردوس مشکل شود مومناں را
کہ فردوس اندر قبالِ محمدؐ

دل و دیدۂ من بہ ہر سمت یثرب
چوں پیغامِ عید از ہلالِ محمدؐ

مسافت نہ ماند چوں برقِ گریزاں
تفاوت کہ باشد وصالِ محمدؐ

عصامِ پریشاں غلام است حقّا
عطا کن پناہے بہ شالِ محمدؐ



نعت

مثلِ رنگِ چراغِ شفق منتشر
مثلِ کارِ نظامِ ادق منتشر
مثلِ علمِ بیاں در سبق منتشر
درسِ الفت ورق در ورق منتشر

نورِ حیات و ممات و فغاں منتشر
حقِ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

کارِ دنیا کند کارِ عقبیٰ تمام
کارِ حسنِ عقیدت ز نغمہ تمام
ایں شفق زارِ حسنِ تمنا تمام
ہم معوذؓ و معاذؓ و مثنیٰؓ تمام

چوں حروفِ قرآں برزباں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

عاشقی در حریمِ مقامے نہ گشت
ایں نظامِ جہاں بے زمامے نہ گشت
ایں کمالِ مہِ نا تمامے نہ گشت
منتشر بوئے الفت زنامے نہ گشت
بوئے او در ضمیرِ نہاں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

توکہ رازِ زمان و مکاں آمدی
توکہ لطفِ بشامِ زماں آمدی
توکہ تنویرِ حسنِ جواں آمدی
وسعتِ حق نما بر زباں آمدی
وحدتِ منتشر در جہاں آمدی
منتشر منتشر لامکاں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِ زماں منتشر

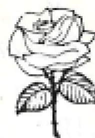
از سراجاً منیراً تنوّر توئی
چشمِ باغِ جناں را تحیّر توئی
سازِ تسکینِ دل را تاثر توئی
رنگِ حسنِ جواں را تصوّر توئی
منتشر یادِ عاشق تحوّر توئی

ہم چوں خشتِ مکاں بے مکاں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

راحتِ دو جہاں رازِ سازِ ازل
نقشِ حسنِ تمنائے نازِ ازل
نازشِ فیضِ داور فرازِ ازل
مرکزِ صد عقیدت نمازِ ازل
یا شہابِ ازل بے نشاں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

کہربا مثلِ آہن زسنگِ عمل
سیرتِ پاکِ تو حسنِ رنگِ عمل
نورِ ماہِ تمامی قشنگِ عمل
منتشر یک جہاں از خدنگِ عمل
مثلِ تیرِ نظر بے کماں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر

توکہ عکسِ جمالِ حرم اے شہا!
تو سراپا متاعِ ارم اے شہا!
اُمتی را بہ لطف و کرم اے شہا!
بارِ عصیاں کجا من برم اے شہا!
ایں عصامِ تو مدحت بیاں منتشر
حقِّ عشقِ رسولِؐ زماں منتشر



حضرت ابوبکر صدیق رض

حضرتِ صدیق آمد باوفا و پارسا
سابقین الاولیں چوں لالۂ رنگیں قبا

شاہدِ کیفِ محبت در حصارِ غارِ ثور
در نظامِ عشق و مستی یک شرارِ کہربا

سالکِ راہِ طریقت نازشِ اربابِ دیں
در نگہ معروف و رنگیں در نفس شعلہ نوا

دعوتِ حسنِ عمل ہم مالکِ عزمِ جری
درمیانِ دین و دنیا یک مثالِ بے بہا

صاحبِ کون و مکاں را یک نیازِ دلنشیں
عالمِ تکوین را عکسِ شمیمِ دلربا

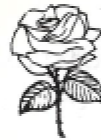
مرکزِ دینِ مبیں کذاب را شعلہ فگن
در مجالِ شک و عنبر در وغا جوشِ وغا

کاشفِ سرِ حقیقت خود جمال اندر جمال
یک کتابِ صبحِ اول یک شہابِ حسن زا

در نظامِ عدل گستر شفقتِ ہر خاص و عام
در دیارِ زندگی مسکیں اثر مسکیں نوا

بانیٔ بزمِ خلافت واقفِ اسرارِ دیں
نرم رو چوں بوئے عنبر سخت چوں کوہِ صفا

اے عصامِ با عقیدت ختم کن ایں منقبت
بر سلامِ ذاتِ پاکِ صاحبِ صدق و وفا



حضرتِ فاروقِ اعظمؓ

حضرتِ فاروقِ اعظمؓ اے شہِ والا نشیں
اے خلیفہ اے امام اے داعئ دینِ متیں

اے پناہِ ملک وملت ہم چو تیغِ آبدار
نافۂ عطرِ محبت کاشفِ اسرارِ دیں

تو شمامِ حسن داری اوّل و اعلیٰ مقام
اے شہِ والا نسب اے گلشنِ ناز آفریں

اے غلامِ اسمِ احمدؐ اے مطیع و راز دار
اے سپہ سالارِ اعظم اَنتَ کُل فتحٌ مُبِیں

اے کہ تو فاروقِ اعظم درمیانِ حق و شر
اے مجاہد اے دلاور عظمتِ سیفِ مبیں

در حصارِ دین و دنیا تو قرارِ بحر و بر
در قلوبِ مردِ مومن تو نویدِ محسنیں !

تو شفیقی تو معیدی نازکی مثلِ خیال
چوں شمامِ آبِ زم زم اے طبیبِ مذنبیں

اے بہارِ صد نیابت مطلعِ حسنِ شہود
اے نظامِ نظمِ عالم راقمِ حرفِ یقیں

اے شجاعِ مہر صولت اے شرارِ حسنِ خاص
اے نثارِ نازِ الفت خادمِ مختارِ دیں

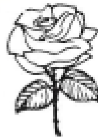
اے امامِ صد شجاعت فاتحِ یرموک و دے
اے سوارِ اسپِ عالم آیۂ فتحِ مبیں

در خطابت یک تحیّر در بلاغت شش جہاں
مالکِ حسنِ سلاست اے خطیبِ آتشیں

اے قرارِ نظمِ دنیا اے کلیمِ منفرد
یک توجہ تازہ ہم بر بندۂ احقر تریں

ایں عصامِ بے نوا آید بہ تو آخر شہا
یک نگاہِ لطف باشد ناز پرور نازنیں





حضرت عثمان غنیؓ

اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی
خادمِ بزمِ رسالت نسبتِ قرآں توئی
پاسبانِ عہدِ عقیدت نزہتِ ارماں توئی
اے صداقت اے شرافت سطوتِ ایماں توئی
اے وفادارِ رسالت رفعتِ ایواں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثماں توئی

تو نظامِ زندگی را یک بہارِ باحیا
تو شرارِ بندگی را شعلۂ رنگیں نوا
یک نگارِ با وفا و باصفا و باغِنا
در گلستانِ عقیدت یک نہالِ حسن زا
اے غنیِ محتشم عظمت دہِ انساں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی

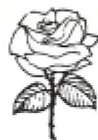
فاتحِ افغان بودی اے شہِ مسند نشیں
سر زمینِ ماں کا را تو بہارِ حسنِ دیں
تو برائے روم و قبرص یک شرارِ آتشیں
غازیانِ دیں را وجہِ شعارِ فاتحیں
فاتحِ یورپ توئی جلوہ گہِ ایقاں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی

تو نبیؐ را قرب داری با وقار و کامیاب
شانِ کلثومؓ و رقیہؓ اعتبارِ باریاب
تو حیا را نام داری چوں بہارِ آفتاب
اے شہیدِ جاں نثار و با وفا و فیض یاب
تو قرارِ روحِ انساں رحمتِ رحمٰں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی

آسمانِ ضوفشاں را تو خلیفہ آمدی
نازشِ دنیا و دیں را تو صحیفہ آمدی
مومناں را تو یقیناً یک وظیفہ آمدی
مرغزارِ زندگی را یک ثقیفہ آمدی
تو خلیفہ تو صحیفہ نصرتِ جاناں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی

تو سوادِ زندگی را یک یقینِ زندگی
درمیانِ دین و دنیا تو امینِ زندگی
ہر محاذِ زندگی را تو معینِ زندگی
حلقۂ فقر و غِنا را تو متینِ زندگی
تو امیری تو فقیری ثروتِ مہماں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی

تو عصامِ بے نوا را مہربان و سرپرست
مبتلائے بے کسی را پاسبان و سرپرست
ہر غریبِ بے اماں را آستان و سرپرست
یک نگاہِ لطف باشد کامران و سرپرست
اے سراپا فیض گسترِ اخترِ تاباں توئی
اے امیر المومنیں اے حضرتِ عثمانؓ توئی



حضرت علیِ مرتضیٰؓ

در مصافِ زندگانی یک خلیفہ یک امیر
یک نگاہِ روح پرور یک شرارِ دلپذیر

یک قرارِ دین و دنیا یک بہارِ زندگی
یک سرورِ کیف آسا یک شعارِ بندگی

در حصارِ سینہ اش شد شعلہ زن عشقِ رسولؐ
بر جبینِ دل نشیں یک لمعۂ نورِ بتولؓ

یک شجیعِ تیغ زن نامش علیِ مرتضیٰؓ
یک جریِ رزم آرا نازشِ نازِ وغا

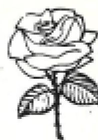
یک شمیمِ عطر زا در انفس و انفاسِ شب
یک نسیمِ صبحِ عالم ثاقبِ صد تاب و تب

نیرِ نورِ بصیرت صاحبِ علم و دلیل
نغمۂ سازِ شرافت مالکِ روحِ جمیل

در بسالت شیر افگن در اطاعت حسن ساز
در خبرِ انوارِ تاباں در نظر ناز و نیاز

در سلوک و در ولایت نکہتِ روحِ عصام
در جمالِ چشت و قادر نزہتِ حسنِ تمام





سُلطانِ اولیاء

"اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء"
یعنی بہارِ نازشِ نازانِ اولیاء

شکر است بے نیاز نہ شد دردِ قلبِ ما
جانم نثارِ جلوۂ جانانِ اولیاء

اسرارِ کائنات و رموزِ حیاتِ دہر
وارد شود بہ جانِ غلامانِ اولیاء

پندارِ حسن چیست بجز یک نگاہِ لطف
حاصل شود بہ سیرِ خیابانِ اولیاء

تو می شوی پناہِ غریبانِ آرزو
اے شاہِ دو جہان و نگہبانِ اولیاء

مُرسلؐ نیاز دارد و وصفِ جمالِ دوست
فیضانِ روح و جانِ دبستانِ اولیاء

نازم ادا نماز سرِ دار می شود
شد اُسوۂ شہید ہمہ جانِ اولیاء

مستند بادہ نوش ز لطفِ نگاہِ او
شیخین در طریقتِ ماشانِ اولیاء

حکمِ نبیؐ ز حکمِ خدا در نگاہِ شیخ
پیہم جمالِ سطوتِ ایوانِ اولیاء

پیشِ نگاہ دار عصامِ اہلِ معرفت
شد نقشِ دلنشیں ہمہ عرفانِ اولیاء



حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ

گُم شود پہنائے دریا ہم بہ بحرِ دور گیر
بے نیابت گشت انساں جُز بہ پیرِ دستگیر

حاصلِ عرفاں محمدؐ نازشِ تزئینِ زیست
رہ نمائی بندگی را منزلِ تکوینِ زیست

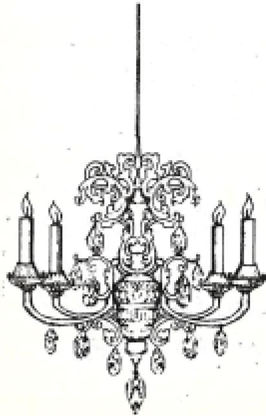
بندگی بے خواجگی شد بے نیازِ لطفِ اُو
بوبکرؓ فاروقؓ عثمانؓ نیز حیدرؓ عطفِ اُو

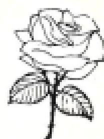
در نظامِ روح پرور زیست بے عنوان نیست
ہر مقامِ دہر را تعمیر بے ایوان نیست

ہم محی الدین قادر پیرِ صد عرفانِ ما
خواجۂ اجمیر باشد نازِ صد ایمانِ ما

در طریقِ چشت و قادر در شریعت نیز ہم
در نیازِ حسنِ عالم شد بصیرت نیز ہم

اے بہارِ زندگی در مرشدی رنگین باش
اے عصامِ مدح خواں از بے خودی تحسین باش





خیالاتِ رنگیں اثر می فروشم
ز راهِ نظر رهگذر می فروشم

ز خوشبوے جاناں نفس مشک و عنبر
شمامِ نهاں منتشر می فروشم

ز چشمِ سیه چشم ما میکده شد
خمارِ نظر در نظر می فروشم

ز انوارِ جاناں نظر کهکشاں شد
شرابِ سحر مشتهر می فروشم

برائے حرارت اگر خواهی آتش
ز حسنِ بتاں یک شرر می فروشم

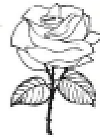
مهارت بکارِ هنر گر تو خواهی!
علوم و فنون و هنر می فروشم

اگر ذوق داری به کارِ سیاحت
مسافت به راهِ سفر می فروشم

اگر خواهی وسعت به اندازِ صحرا
سوادِ نظر دشت و در می فروشم

ز طوفانِ بحرِ عرب نغمه خواهی
بصد غلغله بحر و بر می فروشم

عصامؔ که بالا ز سود و زیانم
دل و جاں به نرخِ دگر می فروشم



دشنہ در دستِ حسیں فتنہ طرازِ عجبے
عارضِ شعلہ فشاں رنگِ نیازِ عجبے

برِشِ تیرِ نظر ورطۂ خونیں در دل
ساحرِ شام و سحر شعبدہ بازِ عجبے

شعلۂ خندہ بہ لب کاکلِ مشکیں بر دوش
غمزۂ خوابِ نہاں حسنِ جوازِ عجبے

سبزۂ خطِ حسیں جادوے چشمانِ غزال
آہوے دشتِ ختن رامشِ نازِ عجبے

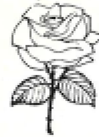
قیصرِ ملکِ حسیں سطوتِ فرخندہ جمال
سوسنِ صبحِ چمن زلفِ ایازِ عجبے

شفقتِ آبِ رواں رحمتِ عالم ہر سو
ساحلِ بحرِ عرب حسنِ حجازِ عجبے

چشمۂ فیضِ نظر راقمِ عنوانِ دگر
حاملِ نورِ حرم بندہ نوازِ عجبے

شاہدِ بزمِ جواں ہست عصامِ خوش گو
تابشِ حسنِ سحر نغمہ نوازِ عجبے





پیغامِ وصلِ یار به عنوانِ شاعری

این تحفهٔ جمال شد ایوانِ شاعری

آن نرگسِ سیاه کند وعدهٔ وصال

شد چشمِ یار باعثِ فیضانِ شاعری

در بزمِ نا و نوشِ خودش ساقیِ جمال

ما را دهد پیاله چو مرجانِ شاعری

آن رقصِ بے پناه که باشد کمالِ دوست

عریان کند نقوشِ رخ و جانِ شاعری

در موسمِ بهار نه دیدم نگارِ گل

جز آن گلابِ ناز به کاغانِ شاعری

آن نقشِ روئے یار که رنگیں کند نقاب

روشن کند نظامِ شبستانِ شاعری

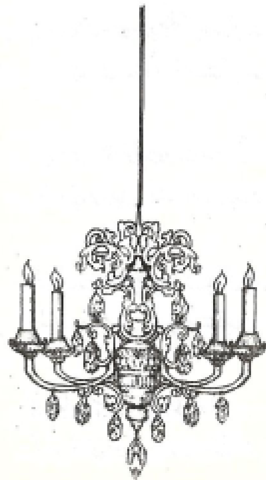
هر شخصِ دلنواز که روشن کند چراغ

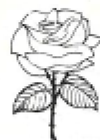
در بزمِ شعر می شود ارمانِ شاعری

آن بوالهوس کجا که زند طعنه بر عصام؟

سازم ز نورِ شعرها دیوانِ شاعری

له کاغان = یک وادیِ قشنگ در پاکستان





دہد آں سیم تن دردِ جگر آہستہ آہستہ
بہارِ بے بدل سازد ثمر آہستہ آہستہ

عروسِ ارتقا خواہد سوارے ست رفتارے
کند رنجِ خمارِ جاں سفر آہستہ آہستہ

خروشِ زیست می خواہد نہ منزل بانہ محمل با
بشر اندر مقامِ دل بصفر آہستہ آہستہ

خمارِ بادۂ ہستی ظہورِ مضمحل دارد
کہ ہر شے می شود زیر و زبر آہستہ آہستہ

عجب عارض کہ اُو دارد کند شمس و قمر روشن
فسونِ داستاں سازد سحر آہستہ آہستہ

غزل ہائے جوانی را غزل خوال غزلِ حافظ کن
شہنشاہِ سخن ریزد گہر آہستہ آہستہ

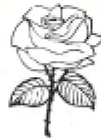
تخیل ہائے بیدل را بہ دل گیر و تماشہ کن
کہ آید شہرِ حکمت خود نظر آہستہ آہستہ

رباب و نغمہ گر خواہی بخواں اشعارِ قاآنی
فضا رقصد ز صوتِ نغمہ گر آہستہ آہستہ

بہارِ عشقِ احمدؐ را اگر خواہی ببیں خسرو
دلم در کیف و مستی بے خبر آہستہ آہستہ

قرارِ ملتِ بیضا ز اقبالِ رسا آید
شدند حالی و اکبر مقتدر آہستہ آہستہ

بہ اندازِ نیازِ دل ببیں شاد و جگر غالب
گہر بندد عصامِ دیدہ ور آہستہ آہستہ



آں جانِ نَے نواز کہ نغمہ فروش بود
خود جانبِ نگاہ بنازِ سروش بود

اے یارِ دلنواز ز انوارِ روئے تو
صبر و قرارِ ما ہمہ یغمائے ہوش بود

اے روئے نسترن ز تو احمر شرابِ ناب
اے شامِ میکدہ ز تو چشمت خروش بود

اے مرکزِ نگاہ دُرِ شاہوارِ حسن
اے میکدہ بدوش ہمہ ناؤنوش بود

اے گیسوئے سیاہ جنوں خیز و مشک بار
خود آفتابِ صبح کہ ظلمات پوش بود

صد مدحت و سلام بہ زیبد بہ شانِ او
بر فخرِ انبیاء کہ بہ عرفان کوش بود

از ضربتِ نگاہ ز فیضانِ آگہی
خود جنبشِ نگاہ بہ اندازِ جوش بود

آں نغمۂ خموش بصد صوتِ زار زار
چوں سوئے او رسید خود آوازِ گوش بود

از کس کہ اے عصام تو درماں طلب کنی
تقسیمِ کار مکر کہ فردا و دوش بود





شراب و سرور و شرر گاہے گاہے
کند آں نظر خود نظر گاہے گاہے

طبیبِ حسیں از نگاہِ شرابی
مداوائے دردِ جگر گاہے گاہے

زشاخِ حسیں خود چمن باروَر شد
زایں شاخِ رنگیں ثمر گاہے گاہے

صباحت بہ حسنِ حسیں داد خواہد
ز رخسارِ افسوں گہر گاہے گاہے

نمازِ تحیر ادا پیشِ او شد
ز جادو نگاہے اثر گاہے گاہے

زکارِ تغافل چنیں دل گرفتہ
کہ خواہد دلِ من ضرر گاہے گاہے

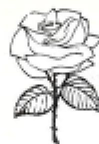
ہم جوئیِ ما کہ خیبر شکن است
دہد دعوتِ دشت و در گاہے گاہے

نسیمِ ارادت زکوئے مدینہ
سرایہ پیامِ سفر گاہے گاہے

بہ شام و سحر در مدینہ سرایم
بہ کوئے محمدؐ حضر گاہے گاہے

بہ نامِ محمدؐ بہ گردِ مدینہ
فدائی شوم سر بہ سر گاہے گاہے

عصامؔ است ادنیٰ غلامِ تو شاہا
صبا تو رساں ایں خبر گاہے گاہے



سرمستیٔ شباب را افکار کرده ام
جرمِ وصالِ یار را اقرار کرده ام

این است شاعری بہ تقاضائے دردِ دل
سوزِ غمِ حیات را اشعار کرده ام

در کارِ میکشی بصد اندازِ نازِ دل
ہر قلبِ بیقرار را میخوار کرده ام

در دورِ ابتری و دمِ احتیاجِ زر
ہرگز نہ من خوشامدِ زردار کرده ام

از آبشارِ شعر چو قوسِ قزح بہ شام
ہر شخصِ دل شکستہ را گلزار کرده ام

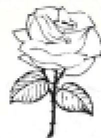
ہر صبح من دمیده چو رنگِ رخِ گلاب
ہر شام بزمِ عارضِ دلدار کرده ام

نغماتِ حسن ریز ز لعلِ لبِ حسین
لب ہائے سرخ سرخ را معیار کرده ام

آں روئے دلنواز ز کیفِ شرابِ وصل
روشن چو آبِ گوہرِ شہوار کرده ام

بخشیده ام ز خود ہمہ اندازہائے نطق
ہر بے زباں را ماہرِ گفتار کرده ام

ذوقِ خیال و خواب را بخشیده انقلاب
جوشِ دلِ عصام را احرار کرده ام



رنگیں ز حسنِ یار ہمہ آفتاب سرخ
چوں روئے ماہ تاب ز رنگِ حجاب سرخ

از غمزہ ہائے حسن چہ ماحول رنگ رنگ؟
در سیلِ بے پناہ چوں رنگِ شباب سرخ

ساغر ز حسن مست و نظر در ہجومِ رنگ
در دستِ نازنیں ہمہ جامِ شراب سرخ

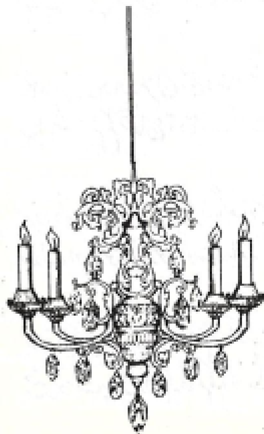
آں لرزشِ خیال کہ دارد صباحِ گل
در جوششِ ارتعاش کند اضطراب سرخ

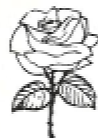
نغماتِ رنگ رنگ بریزد ز لعلِ لب
زیں شاہکارِ حسن شدہ انتخاب سرخ

از یادِ یارِ ما شبِ فرقت حسین تر
در دشتِ فکر زار فریبِ سراب سرخ

مصروفِ کارِ وِردِ لبِ لعلِ احمریں
در رنگِ دلنشیں ہمہ کارِ ثواب سرخ

بر موقفِ عصام چہ پرسش ہزار کردہ
در طیشِ بے حساب سوال و جواب سرخ





شرابِ ناب بہ مستی زِ بر بندِ نقاب اُفتد
شہابِ آتشیں ہر سو بہ اندازِ شباب اُفتد

نگاہِ سرگیں دارد مزاجِ صبح و شام یکجا
مثالِ شعلۂ کم کم شعاعِ آفتاب اُفتد

سرود و نغمۂ ہیچ آید بہ پیشِ کیفِ گفتارش
صدائے او چو موسیقی زِ خود صوتِ رباب اُفتد

بہ اندازِ تخیّل بیں کہ ایں عالم زِ ما کمتر
چنیں وسعت بہ دل دارم کہ عالم کم زِ خواب اُفتد

زِ حکمِ کن فکاں شاید چنیں منظر ہویدا شد
چو کوکب ہا ہمیں دنیا زِ یک گنجِ سحابِ[۱] اُفتد

جلالِ آتشینِ او چہ گرداں شد بہ ہر ذرہ[۲]
کہ شہرِ ناگاساکی خود بہ دوزخ زارِ تاب افتد

زِ کارِ آن شناہین ہم زِ تحقیقِ سلام اے دل
اضافت ہائے اجزا ہم بہ سنگِ آفتاب اُفتد

نظر بر حکمتِ سائنس دارد آں عصام اے دل
نگارِ علم و فن اُو رابہ اوراقِ کتاب افتد

۱۔ گنجِ سحاب: ایں نظریۂ سائنس (طبیعیات) است کہ اوّل اوّل یک مادّۂ کبیر مانندِ گنجِ سحاب بود کہ نامش (NEBULA) نیبولا است بار ارتعاش و آوازِ کرخت او پارہ پارہ شد۔ ہر پارہ کہ جدا شد یک ستارہ یا سیارہ گشت ایں عمل را لختِ سحاب یعنی (THE BIG BANG THEORY) می گوئیند۔

۲۔ گرداں شد بہ ہر ذرہ۔ نظریۂ شقِّ جوہر ایں است کہ در جگرِ ہر ذرہ یک ذرۂ خفیف کہ "ELECTRON" نامند رقص کناں است۔ "ELECTRON—IN THE NUCLEUS"

١٣ شهر ناگاساکی۔ شهر معروف در جاپان که تدریم جوهری شد (ATOM BOMB)

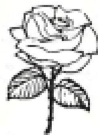
١٤ تاب۔ مخفف برائے تابکاری که در انگلیسی RADIO ACTIVITY می گوئیند۔

١٥ آنستائین۔ آں سائنیس دانِ بزرگ که نظریهٔ اضافیت را دریافت کرد که در انگلیسی "THEORY OF RELATIVITY" می گوئیند۔

١٦ سلام۔ آں سائنیس دانِ پاکستان که طاقت ہائے مقناطیسیت برق را با طاقت نحیف جوهر یک جان کرده نوبل پرائیز (NOBEL PRIZE) یافت۔

DR. ABDUS SALAM OF PAKISTAN, IN 1967, UNIFIED THE ELECTRO-MAGNETIC FORCES WITH THE WEAK NUCLEAR FORCES AND WON NOBEL PRIZE.

١٧ اضافت ہائے اجزا۔ اشاره است جانبِ نظریهٔ اضافیتِ اجزائے جوهر که در پہنائیِ آفتاب ایں اجزا (ELECTRONS) گردِ "جزوِ مرکز" (PROTON) در رقصِ آتشیں ہستند۔



از ہجوم درد سازم خوابِ صد افسانه ہم
در ایاغِ قلب دارم شورشِ میخانه ہم

محو در نگارِ حسن دارد مخملیں اندازِ گل
در حریمِ قلب دارم رامشِ مرجانه ہم

در دلِ صد چاک دارم صدمهٔ اخلاقِ دوست
می کند چوں راسپیوٹن خونِ صد گل خانه ہم

رہنمائے رنگِ سوسن داغِ لاله نسترن
در شبابِ باغ جویم نرگس و ریحانه ہم

این دلِ مغموم دارد یک چراغِ آتشین
می کنم از اشک روشن شمعِ ماتم خانه هم

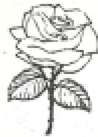
ای شمامِ روح پرور ای نظامِ دلربا
در دلِ مجروح دارم جلوهٔ جانانه هم

از شرابِ چشمِ نرگس از کلامِ نازِ دوست
هر قدم در کیف دارم لغزشِ مستانه هم

بی اثر هرگز نه باشد نالهٔ شبنم گداز
نالهٔ شبگیر دارد وسعتِ ویرانه هم

شد نمازِ عشق اکثر محوِ ارمانِ دوست
این نمازِ کیف دارد جوششِ پیمانه هم

این عصامِ قندِ پارس نغزِ شکرشکن
در کلامِ ناز دارد عشوهٔ ترکانه هم



آن غنچهٔ بهار و گلِ شاخسارِ صبح
تصنیفِ حسنِ یار چون منظرِ نگارِ صبح

مانندِ لحنِ مست لبصد نغمهٔ هزار
یک جامِ سرخ رنگ کفِ میگسارِ صبح

چون عارضِ شباب سحر رنگ و زردکار
چون سنگِ آفتاب بنشتر فشارِ صبح

یک حسنِ دلنواز نظر تاب و پربهار
یک خاورِ حسین سرِ شاه کارِ صبح

بدمست و بیقرار و غزل خوان و دلفریب
حاکم بہ حکمِ خویش سرِ رہ گذارِ صبح

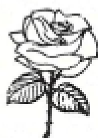
چوں عہدِ زندہ دار بہ حدِّ بساطِ دل
چوں جوئے نغمہ بار سرِ آبشارِ صبح

با قلبِ نور نور شفق رنگ و دل نواز
با زلفِ عطر بیز سرِ مرغزارِ صبح

یک پیکرِ یقین سرِ آستانِ دوست
یک حسنِ دلنشین رہِ یادگارِ صبح

عنوانِ داستان ہمہ نقشِ رنگِ یار
محرابِ روئے دوست سرِ قصرِ یارِ صبح

با فیضِ کامیاب و غمِ دلکشا عصام
آید بہ تو مدام دمِ انتظارِ صبح



آید ہمی آں نازنیں چوں تابشِ رنگِ گہر
در لمعۂ انوارِ خود چوں نغمۂ شام و سحر

در کاوشِ کارِ جہاں در عشوۂ شہ نازِ من
نازِ نگارِ دلبراں ماہِ تمامے خواب گر

حسنِ وقارِ دلبری روحِ نشاطِ آذری
دُرِّ عدن در گفتگو طوفان زا در بحر و بر

نعرہ کناں در زندگی با حکمتِ افسوں نوا
ہم منتشر چوں صوتِ دل ہم متحد مثلِ ہنر

روحِ شباب یاسمن ہم سوسن و سنبل نشاں
شانِ حجابِ نسترن رنگیں ادا و زر نگر

چوں راقمِ تصویرِ دل ہم موجِ حسنِ کہکشاں
آں کاتبِ تقدیرِ شب بر کتبۂ لوحِ بشر

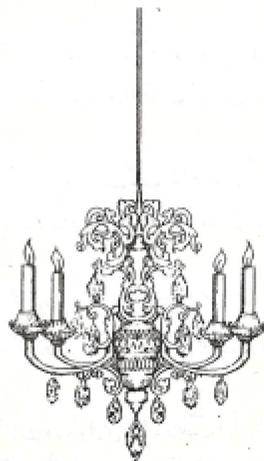
شامِ زیارت زلفِ او صبحِ بدخشاں چشمِ نم
آید بہ ما سرو رواں چوں نخل ہائے با ثمر

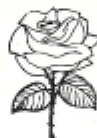
با نغمۂ رفتارِ خود بدمست چوں بادِ صبا
گلدستۂ رنگِ حنا مستِ خرامِ بے خبر

حسنِ حبابِ لالہ گوں بر سینۂ شبنم نما
موجِ سحابِ برق زن لعلِ لبِ عنّاب تر

رنگیں بدن آہو ختن گوہر نشاں نغمہ فشاں
بر عاشقاں ہم مہرباں با شفقتِ سیماب و زر

گر اذنِ کارِ وصلِ او آید ہمی بہرِ عصام
ہم سوئے شاعر نغمہ خواں آید پیامِ سیم بر





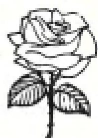
مضمونِ ما نہ بودہ مضمونِ گل رخاں را
دل آب آب کردہ مفہومِ ناقداں را

شہرت پہ شیشہ بازی گشتم بہ دہر حیراں
ایں خواب دور باشد از خوابِ بیکساں را

شد مفتخر بہ شہرت یک شاعرِ نواگر
بر ایں مقامِ عالی چہ کار ناقصاں را

ہرگز تواں نہ کردم گر بیش گویم از دل
ہرگز روا نہ دارم اخفا کنم عیاں را

نغماتِ درد داری تو اے عصامِ گریاں
تو سیرِ چشم شاعر نغمہ فشاں زماں را



پردہ دارِ رازِ حق رنگینیِ کیفِ جواں
باوفا و باصفا و رہ نمائے کہکشاں

از فرازِ علم و دانش آمدہ فصلِ بہار
راز دارِ کشف و معنی جلوہ گاہِ عارفاں

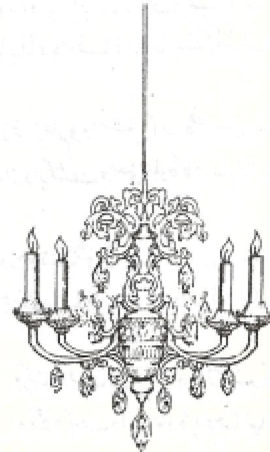
در حقیقت عشق را کیفِ دوامِ حسن نیست
جز نگاہِ یک بصیرت آں نہ حاملِ قدسیاں

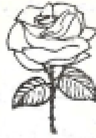
ہر کشاد و بست را پیہم نگاہِ ناز شرط
ہر نگاہِ کیف دارد جلوۂ روحانیاں

تو نمودی حسنِ عالم تو نہادی چشمِ ناز
اے شعورِ حسنِ دنیا اے شعارِ مہوشاں

تو قرارِ روح و نغمہ تو سکونِ جسم و جاں
بے نوا من گرچہ ہستم تو نوائے پرفشاں

یک نگاہِ ناز کن در ابتلائے روز و شب
تو عصامِ بے نوا را نازشِ منزل نشاں





حروفِ بے زباں دارم دلِ بے مدعا دارم
نقوشِ نامرادی ہا ز خونِ دل جلا دارم

نہ از روئے حسیں اکثر حسابِ نقدِ دل باشد
نہ از چشمِ سیہ کارے سوالِ بے ریا دارم

شبابِ احمریں دارد ہمہ رنگِ حیا سازے
حجابِ دلربا رقصاں کہ شرحِ بے بہا دارم

شرارِ چشمِ معشوقے خورش کارِ خفی دارد
رمق از حسنِ بے تابِ حیا اندر حیا دارم

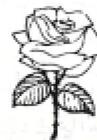
عجب قرب است در خوابم نہ وصل است و نہ مہجوری
عجب محشر ز نازِ او بہ تصویرِ جفا دارم

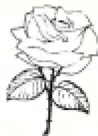
ز کفرِ بے نیازِ او ہمہ عالم شود مرتد
ہمہ کارم بہ کارِ دیں بصد کارِ وفا دارم

نمازِ عاشقاں باشد نیازِ حسنِ جانانہ
قرارِ عاشقانہ ہم چو تحریرِ خفا دارم

ستم ہائے شعوری را نمی ارزم بہ دل اندر
کرم ہائے تظلّم را چو تعریفِ وغا دارم

عصامِ ناز پرور را نیازِ یک نظر بس شد
شرارِ خوش نما ہمدم بصد رنگِ حنا دارم





کیفِ شراب و مستیٔ رندانہ سازِ من
صبحِ حسین و جلوۂ عشوہ طرازِ من

چشمِ سیاہ و نکہتِ زلفِ درازِ او
جذبِ سجود و رحلتِ شامِ نمازِ من

وصلِ نگاہ و لذتِ زخمِ ہزارِ دل
آہ و فغان و نالۂ شبنم گدازِ من

امید و بیم لرزشِ انفاسِ بے پناہ
ہجر و وصال جلوۂ بے جا نیازِ من

بے صوت و دلپذیر ولیکن فلک شگاف
ایں ہم مآلِ نغمۂ آہِ درازِ من

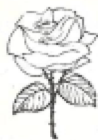
آں خوابِ دور گیر بصد نازِ دلپذیر
آں موئے شب نواز چوں زلفِ ایازِ من

یک جذبۂ یقین سحر تاب و سحر ساز
یک نصرتِ خیال چوں شربِ مجازِ من

آں نورِ لاجواب بہ "اُتْمِمْتُ نِعْمَتِی"
آں نقشِ حسنِ یار بہ سوئے حجازِ من

ایں شعرِ فارسی کہ سراید عصامِ تو
شُد طائرِ خیال رمِ شاہ بازِ من





خود نگارِ دلِ عاشق ہمہ رنگیں آمد
مژدہ اے سرو و سمن خود سیمیں آمد

غربتِ دل ہمہ ویرانیِ صحرا خود گفت
اے الم دیدہ ببیں گیسوئے مشکیں آمد

منزلِ وادر رسن قیمتِ شوریدہ سری
چوں بہ آزادر رسد شربتِ شیریں آمد

ہر کہ دارد دلِ بیباک چہ دولت دارد
دلِ بیدار ہماں نقد کہ شاہیں آمد

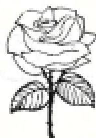
ازلبِ شاخِ چمن نالہ و گریہ برخاست
ہوشیار اے نگہِ خفتہ کہ گل چیں آمد

جنبشِ سرو و سمن نغمۂ رنگیں دارد
گل و بلبل ہمہ رقصاں شبِ پرویں آمد

بصد اندازِ حسیں آمدہ آں پیکرِ ناز
در شفق زارِ چمن آں گلِ فرّیں آمد

رودِ حافظ ہمہ خوشتر کہ عصامِ دارد
اے گلِ لالہ بیا پیش کہ خود بیں آمد





آں یارِ دلنشیں کہ خودش یادگارِ دوست
"مارا دہد پیامِ لبِ نغمہ بارِ دوست"

در لالہ زارِ حسن بہارِ عجیب بود
شمشاد و نسترن شدہ رنگیں عذارِ دوست

اے مرسلِ حبیب تو عالم حسین تر
اے حسنِ راہ بر ز تو نقش و نگارِ دوست

ہر غنچہ حسیں کہ شگفتہ کنارِ آب
شد عکسِ بیکرانِ رخِ شاہکارِ دوست

هر جوئے آبدار کنارش دمد گلاب
بدمست و نغمه خوانِ صفِ ره گذارِ دوست

آں جامِ سرخ رنگ که زیبد به دستِ او
شد سرخیِ حسینِ لبِ لاله زارِ دوست

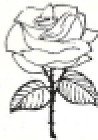
لمعاتِ رنگ و نور به قطبینِ[1] ضوفشاں
یک رنگِ دلپذیر ز رنگِ هزارِ دوست

آں کارِ بے خودی که دهد ساغرِ شباب
تخلیق کارِ جذبِ دلِ مے گسارِ دوست

آں دردِ بے حساب که سوغاتِ حسن هست
سرمایهٔ عصّام سرِ روزگارِ دوست

---

[1] برائے ماهِ شش شمس و قمر غائب می شوند و در تاریکی لمعاتِ رنگ رنگ دبو قلموں در قطبینِ شمال و جنوب نمود دارند۔



عاشقانِ دید را منزل بجز رخسار نیست
کاروبارِ درد را کارِ دلِ هشیار نیست

نقل خود هرگز نه دارد اصلِ عکسِ دلنواز
خود هلالِ عید همدم ابروئے خمدار نیست

در بهارِ نو به نو بلبل نه سازد نغمه هیچ
بر زبانِ حسن اکثر نغمهٔ تاتار نیست

در امیدِ وصل او رقصاں شوند اربابِ دل
هر خیالِ شوق لیکن وعدهٔ دیدار نیست

از نگاہِ تیز بر دل منجمد فکرِ رسا
خود نگاہِ ناز لیکن نرگسِ بیمار نیست

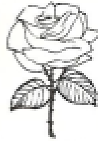
التفاتِ مضطرب سازد بہ دل داروے دل
ایں دوا از دستِ نازک شربتِ عطّار نیست

نقشِ حسنِ گلبدن رنگیں کند بزمِ خیال
تا ز چشمِ مہوشاں خود دعوتِ پیکار نیست

درد را رنگیں کند سحرِ نگاہِ سیمتن
گرچہ دانم زخمِ دل ہم مرہمِ باکار نیست

راست گوید اے عصام آں حافظِ رنگیں نوا
"دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست"





با دردِ بے حساب شبِ نالہ می رود
از آہِ دلگداز دلِ لالہ می رود

ما در سکوتِ چرخ و خلا نکتہ دیدہ ایم
ایں شورِ بے صدا کہ بہ مقالہ می رود

ایں کیفِ تیرگی کہ بریزد ز چشمِ یار
چوں آہوئے رمیدہ کہ دو سالہ می رود

شب چشمِ نرگسی کہ تماشا کند بگفت
ایں شامِ دلنشیں کہ بہ دنبالہ می رود

آں مقتلِ سیاہ کہ بیگین[1] کند بپا
آں قتلِ بے گناہ بہ قتالہ می رود

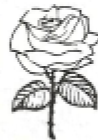
زلفے بہ رخ نہاد و کشو فے بہ رو نمود
جادوئے زلفِ یار بہ بنگالہ می رود

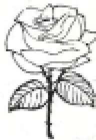
آں تشنگی بہ لب کہ نمودم بصد نیاز
از چشمِ اشکبار سوئے نالہ می رود

ایں نظم سرد و سخت عصامِ حزیں بگفت
از برفِ قلب ریختہ چوں ژالہ می رود

---

[1] وزیر اعظم اسرائیل کہ در لبنان یک مقتل سیاہ بپا کردہ ہزارہا مسلمانانِ فلسطین را قتل کرد ۔





اے کہ با نغمۂ صد حسنِ حجاز آمدہ ای
روحِ بے نغمہ را تو نغمہ طراز آمدہ ای

اشکِ ابیض شدہ رنگیں ز نگاہِ مخمور
لذتِ آہِ سحرگانہ بہ ناز آمدہ ای

جذبۂ حسنِ عقیدت ز تو غمازِ بیاں
غنچۂ شام و سحر حسنِ نماز آمدہ ای

اے کہ با زلفِ گرہ گیر و سیہ رنگ و حسیں
رشکِ خوبانِ چمن زلفِ ایاز آمدہ ای

اے رخِ حسنِ زماں شعلہ فشاں راحتِ جاں
مرہمِ زخمِ نہاں بندہ نواز آمدہ ای

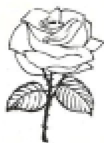
رنگِ عارض بہ تو زیبد چوں تبسم بر طفل
دعوتِ حسنِ نظر نورِ نیاز آمدہ ای

تو خودت لطف دہی از رہِ الطاف و کرم
بر رہِ حسنِ نظر رفتہ و باز آمدہ ای

قابلِ دردِ جگر رامشِ صد رنگِ سحر
اے طبیبِ دل و جاں حسنِ جواز آمدہ ای

جلوہ فرمائے جہاں پرتوِ روئے محبوب
خوش نوائے بہ چمن نغمہ گداز آمدہ ای

ایں عصامِ بہ تو آید چوں شرارِ رنگیں
عشوۂ نازِ غزل شعبدہ باز آمدہ ای



نغمۂ شام و سحر حرفِ بیاں برخیزم
تابشِ حسنِ شفق شعلہ فشاں برخیزم

عندلیبانِ چمن نغمہ سرایند بہ شاخ
تا لبِ نوحہ فشاں نالہ کناں برخیزم

گرچہ دانم کہ درِ تو نہ شود وا ہرگز
خود بیا تا بہ رخِ حسنِ جواں برخیزم

بر دلِ خفتۂ من تو ہمہ شبخوں زدہ ای
تا صفِ لالہ و گل شعلہ بہ جاں برخیزم

بر سرِ جوئے رواں شاخِ حسیں پیدا کن
تا بہ اندازِ چمن سروِ رواں برخیزم

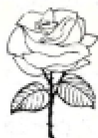
از رہِ لطف و کرم زخمِ نہاں کن پیدا
تا زِ تحریرِ شما خوابِ گراں برخیزم

از لبِ لعلِ یمن ساغرِ جم تحفہ زن
تا زِ خُم خانۂ دل جامِ نہاں برخیزم

"منِ بیدل زِ جمالِ تو عجب حیرانم"
چشمِ الطاف بہ کن تا بہ نشاں برخیزم

حاصلِ وصلِ شما حافظِ رنگیں گفتہ
"تا سحرگہ زِ کنارِ تو جواں برخیزم"

منِ عصامؔ بہ تو آیم بہ امیدِ یک جام
تا نہ از محفلِ تو تشنہ دہاں برخیزم



زعمِ خودی گذشتہ و عیشِ دوام رفت
شکرِ خدا کہ شہرۂ حسنِ مدام رفت

سنگِ گراں شکستہ و فرسودہ نام رفت
گریہ بگیر تازہ کہ مستِ شمام رفت

از وحشتِ بے نشانِ دلِ صبح و شام رفت
در وجدِ دلپذیرِ ہمہ خاص و عام رفت

راز و نیازِ دلبرے خانہ ختم شد
رقص و سرود و محفلِ حسنِ کلام رفت

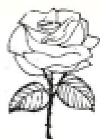
خود رفت چوں قرارِ دل و جانِ میکده
کیفِ شراب و مستی و مینا و جام رفت

آں سروِ دل کشی که نیازِ حسین بود
با رنگِ گل به نغمهٔ حسنِ خرام رفت

هر نقشِ دلبری که امینِ ازل به خواست
صد حُسنِ خوش نظام که حرفِ تمام رفت

هر صاحبِ مراد که کارے ز عقل کرد
منزل ز علم یافته دانه و دام رفت

صحنِ چمن ز سرو و سمن چشمِ نرگسی
آید صدائے درد که نظمِ عصام رفت



ایں نغمهٔ رخشنده از صوتِ ربابِ اولیٰ
ایں فرصتِ بے معنی در جذبِ شرابِ اولیٰ

در عشقِ شرر تابے در حسنِ سحر خوابے
آں درد شبستانم سوز و تب و تابِ اولیٰ

بر عرضِ سوالِ من تو حرف نه خواهی زن
کم گوئی و خاموشی از کربِ جوابِ اولیٰ

اے ظلمتِ شب رنگے اے خدشهٔ سیلِ شب
از شکلِ سیه پوشے رفتن به شتابِ اولیٰ

جز حرفِ کتابِ دل خود ہیچ نہ خوانم من
ایں کتبہٴ دردِ دل از نقشِ کتاب اولیٰ

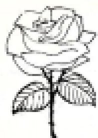
از حسنِ نگارِ من مسرورم و منصورم
در کارِ وصالِ او ایں نازِ شباب اولیٰ

اے یارِ سیہ خالے اے روئے سحر تابے
در بارشِ نورِ رخ تابندہ نقاب اولیٰ

در دیدہٴ نمناکش یک بحرِ حسیں بینم
ایں اشکِ گہر رنگے از حسنِ حباب اولیٰ

از ساغرِ چشمِ او صد دعوتِ جام امشب
در رنگِ شبابِ او بدمست و خراب اولیٰ

از کیفِ نگاہِ او ایں نظمِ عصام آید
در دورِ شبابِ او شربِ مئے ناب اولیٰ



گوہر لمعہ فشاں نقش و نگار آخر شد
شفقتِ حسنِ نظر خندہٴ یار آخر شد

محورِ قلب و نظر خنجرِ نازِ شبخوں
قصہٴ جبرِ نہاں سلسلہ وار آخر شد

وصلِ معشوقِ حسیں در حرمِ نازشِ دل
فرصتِ آہِ سحرگانہ بہ یار آخر شد

مہوشِ نورِ نظر غمزہٴ صد نازِ تمام
رفعتِ جشنِ بہارِ شبِ تار آخر شد

در رہِ شوقِ سفر منزلِ غم پیدا کن
جذبۂ حسنِ طلب راحتِ کار آخر شد

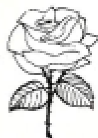
خندۂ روئے حسیں نغمۂ صد تارِ رباب
تابشِ رنگِ سحر جشنِ بہار آخر شد

جلوۂ ماہِ مبیں تحفۂ یک نجمِ سحر
حسرتِ دردِ جگر وجہِ قرار آخر شد

منظرِ خوابِ نہاں محشرِ نغمہ در دل
رہبرِ فکر و نظر طالبِ دار آخر شد

دہشتِ خارِ چمن وحشتِ صحرا تا کے؟
قصۂ زخمِ جگر تہمتِ خار آخر شد

در رہِ نازِ حسیں نغمہ شد آوازِ عصام
ہدیۂ رنگِ سحر رقصِ شرار آخر شد



در کارِ عشق پردۂ غیب نصیب ہست
خود مقتلِ نظر سرِ راہِ صلیب ہست

آں چشمِ سرمہ سا کہ غزالاں کند خجل
شد ناوکِ نگاہ کہ نامش طبیب ہست

من زخمِ دل شمارم و خوشش کاری ادوم
دردِ ہزار دارم و لطفش عجیب ہست

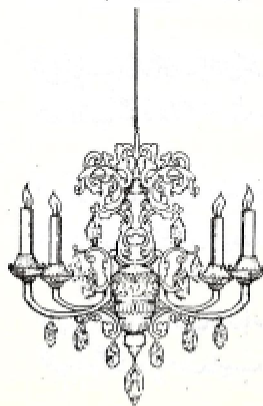
آں جانِ میکدہ کہ نشاطِ رباب بود
نظمِ بہار گفتہ دمِ عندلیب ہست

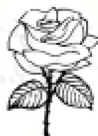
ہر کس کہ زہد کرد نہ دارد نیاز و ناز
مردِ امین آں کہ دلش خود عجیب ہست

نقدِ نگاہ دارم و ذوقِ جمالِ دوست
آں فتنۂ عجیب بہ شکلِ مہیب ہست

من داستانِ غم نہ سرایم بہ پیشِ کس
بندہ نوازِ ما ہمہ فیضِ حبیب ہست

سودائے دل بہ سیم و زرِ خاص می کنم
دائم کہ بر خلافِ عصامِ رقیب ہست





شعلۂ حسن کجا وعدۂ دیدار کجاست
اے نگارِ شبِ غم چشمِ فسوں کار کجاست

چشمِ میگوں شدہ گلرنگ شرابے دارد
رقصِ بسمل بہ سرِ خنجرِ خونخوار کجاست

حکم این است کہ رقصاں بہ طوافے سوزم
لیکن اے شوق بگو چشمِ شرربار کجاست

درد آں درد کہ از دوست نہ خواہد درماں
در جہاں مرہمِ زخمِ دلِ غمخوار کجاست

دلِ معصوم و لبِ خشک و نگاہِ مسکیں
دلِ مجروح مپرس آں دلِ بیمار کجاست

من نہ دانم کہ شفق شاہدِ رعنا چہ کند
لیکن آں زہرہ وشِ حسنِ شفق زار کجاست

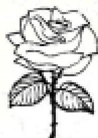
زلفِ شب رنگ عجب حسن و جوانی دارد
لیکن آں سنبلِ گیسوئے شبِ تار کجاست

قطب و ناہید و مہ و نیّرِ تاباں اِم شب
لیکن اے نجمِ سحر قافلہ سالار کجاست

نقشِ اقرار شود محضرِ دلسوزیٔ عشق
نگہِ عاشقِ محزوں بہ سرِ دار کجاست

ہمہ اندازِ سخن حافظِ رنگیں دارد
آں عصامِ نظر افروز و فسوں کار کجاست

— حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
فکرِ معقول بفرما گلِ بے خار کجاست



اثاثِ فکر کہ فرخندۂ جہاں عمل است
نشاطِ کار نظامِ کمالِ بے علل است

ہزار جلوہ ہویدا شود ز حسنِ کمال
بنائے کاوشِ محنت اگر ثمرِ ملل است

ز جذبِ شوق شدہ سہل کارہائے دقیق
گدازِ سنگِ گراں از نگارشِ نحل است

عجیب نغمہ بر آید ہمہ ز قلبِ رقیق
شبابِ دوست اگر خوب رو و بر محل است

سحابِ حسن نہ ریزد بجز شرابِ وصال
شرابِ وصل مگر خود سفینۂ غزل است

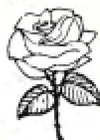
اسیرِ عشق سرِ دار طے کند راہے
شعارِ حسن اگر وجہِ قتلِ بے بدل است

عصام گفتۂ یک شعرِ حافظِ شیراز
ندیم گفت کہ ایں ہم ز نغمۂ ازل است

"دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صُراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است"

(حافظ شیرازی)





از کیفِ جوشِ جامِ مجلّا خراب کن
از رنگِ دستِ ساقیِ مہوش شراب کن

اے بے خبر بہوش کہ جام است بے قرار
زاں پیش می رسد ہمہ آفت عذاب کن

ہر جا کہ می روم ہمہ بینم جمالِ دوست
زیں پیشتر کہ حکم رسد تو نقاب کن

ما را ز عشق فیض رسیدہ بصد مآل
از وعظ و پند تو ہمہ عالم عتاب کن

از نورِ نجم و خاورِ ابیض بیار جام
از حسنِ بے مثال و دل آرا شباب کن

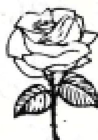
تو می رسی بہ کار بہ زلفِ سیاہِ او
حلقہ بگوش دارد و نامد سحاب کن

آں فخرِ انبیاؑ کہ بصد نازِ حسن ساز
بر ما کند نگاہ ز فیضِ ثواب کن

اے یارِ دلنواز و شمامِ نیاز و ناز
در حیرتم خموش تو گوئی خطاب کن

در کیفِ بے حساب نمازِ عصام بود
لیکن حریف گفت بیا تا حساب کن





ز نوائے شعرِ رومیؔ ہمہ رنگِ باب گویم
"ہمہ آفتاب بینم ہمہ آفتاب گویم"

نہ فرازِ آبشارم نہ نگارِ موجِ دریا
لبِ ساحلِ تسلی غمِ بے حباب گویم

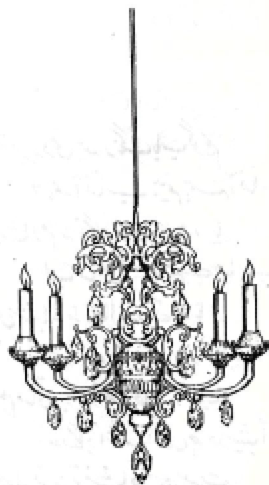
نہ زِ نرگسِ شبانہ نہ زِ خالِ روئے جاناں
ہمہ آب و تابِ دلبر ز شرابِ ناب گویم

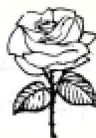
بہ حضورِ چشمِ ساقی بہ چہ کار جام و مینا
بہ نگاہِ اشک آگیں چہ حدیثِ آب گویم؟

نہ تو خالقِ جہانے نہ تو شاہِ حسین سیرت
ز نصیحت نہ کارم ہمہ شیخ و شاب گویم

زشرابِ چشمِ جاناں ہمہ جام ہائے رنگیں
چہ دوائے دردِ الفت دمِ انجذاب گویم؟
ز دیارِ پیرِ رومی ہمہ عشق و درد و درماں
زکلامِ دل نشینش رخ انتخاب گویم

زعصامِ دلپذیرے ہمہ حسن ہائے دلکش
ہمہ اضطرابِ رومی بہ آب و تاب گویم





حسن دارد نغمۂ گلزار ہا
عشق دارد کارزارِ کار ہا

داغ ہائے قلبِ ما آتش فشاں
داغ ہائے درد چوں اشعار ہا

دولتِ زردار ریزد خونِ دل
دولتِ بیدار فقرِ یار ہا

ناز آید ناز را بر نازِ دوست
ناز آید خود بہ خود دلدار ہا

آں کہ خدمت کرد خود مخدوم شد
حسنِ خدمت جانِ صد افکار ہا

در محبت درد ہا دلدار شد
در رفاقت قلب ہا انوار ہا

دردِ ما پر نور دارد روئے دوست
نور کیفِ درد باشد نار ہا

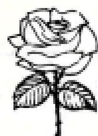
کارِ نخوت کار ہا ہرگز نہ کرد
حسنِ خدمت رہ نمائے کار ہا

در شرافت عالمِ انساں بود
در رذالت نرغۂ اغیار ہا

عہدِ ماضی گفتہ آید اے عصام
یک سخن صد نازشِ اسرار ہا

" تو چرا باشی بہ فکرے مبتلا
کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما "

(مولانا روم)



روئے روشن جلوۂ شہ نازِ دوست
در شمامِ قلب خود اعجازِ دوست

در دو قائم از نگاہِ نازِ او
در حقیقت شفقتِ اندازِ دوست

ناز دارد رشتۂ ایجابِ خاص
قلب دارد نغمۂ آوازِ دوست

سوزِ ما چوں نالۂ شعلہ فشاں
فقرِ ما چوں طائرِ شہبازِ دوست

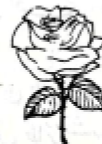
یک حقیقت حلقهٔ زنجیرِ زلف
یک کرامت عادتِ اغماز دوست

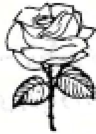
یک عقوبت منّتِ تعریفِ غیر
یک مسرت رغبتِ دمسازِ دوست

یک تصادم از نگاهِ نازِ او
یک تکلّم از لبِ اعجازِ دوست

رومؔ و ترکیؔ یاد آید اے عصّام
منفک از یادِ ترکیؔ رازِ دوست

"خشک مغز و خشک تار و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست"
(مولانا رومؔ)





داغ ہائے دردِ ما گلزارِ ما
غمزہ ہائے حسنِ تو دربارِ ما

قسمتم دردستِ او دارم ہمی
جانِ ما پروردهٔ غفّارِ ما

یک نگاهِ نازِ او منصور ساز
یک شرارِ قلبِ ما اجرارِ ما

قلبِ صد بیمار دارد آتشے
آتشے کہ اندرش ابصارِ ما

تو شگفتی مثلِ غنچہ در چمن
من نہ گشتم از ستمِ اغیارِ ما

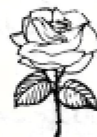
در تجلّی حسن روشن می شود
در تعدّی جورِ اُو آزارِ ما

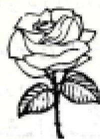
من توقع ہیچ دارم از کسے
بابِ رحمت احمدؐ مختارِ ما

اے عصامِ مست تو خواہی اگر
یک سخن از عہدِ پُر اسرارِ ما

تو چرا باشی بہ فکرے مبتلا
کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما

(مولانا روم)





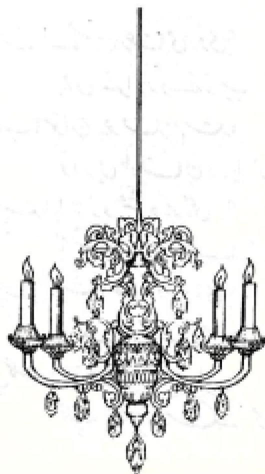
تو کجا اے حسنِ رعنا می روی؟
چوں شرارِ روئے زیبا می روی
اشکِ ما مواج چو قلزم شدہ
تو دریں طوفانِ دریا می روی
تو چرا با ناز و عشوہ برہمی ؟
آتشینی مثلِ شعلہ می روی
تو چرا مثلِ صبا آوارہ ای ؟
چو فغانِ قلبِ لیلیٰ می روی
اہلِ گلشن از جدائی مضطرب
قلبِ شاعر را شکستہ می روی

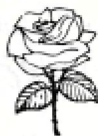
عاشقاں را زخم دادہ از نگاہ
بے علاج و بے مداوا می روی

سخت بیدردی کہ دل را سوختہ
چو شرارِ سنگِ خارا می روی

خوب گفتہ سعدیِ جادو نوا
تو عصام از دل بہ تنغمہ روی

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی





آب دارِ تیغِ بُرّاں روئے تو
سبزۂ خطِ حسیناں روئے تو

تو چرا جشنِ چراغاں می کنی
غیرتِ صد ماہِ کنعاں روئے تو

تو بہ فکرِ لفظ و معنی گم شدی
مصدرِ الفاظِ جاناں روئے تو

خواہشِ صبحِ بہاراں می کنی
رامشِ انوارِ تاباں روئے تو

حسنِ یورپ را تماشہ کردہ ایم
خوب تر از آں نگاراں روئے تو

نرگسِ شہلائے تو افسوں زند
نازہائے چشمِ حیراں روئے تو

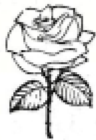
چہرۂ تابانِ تو عرفاں دہد
خلقِ عالم را چراغاں روئے تو

تو نہ دانی آں کہ سعدی گفتہ است
صد ہلالِ عیدِ قرباں روئے تو

تو چرا مثلِ شمیم آوارہ ای
صد تماشہ گاہِ خوباں روئے تو

چوں بہ اصرار ہم قدم رنجہ کنی
ہم نشیں در عرش و ایواں روئے تو

شمعِ فارس با تو فروزاں کے شدی؟
از عصامِ شاد و فرحاں روئے تو



تو نگارِ زہرہ جبیں رسی بہ ہزار قرب و جوارِ ما
تن و جانِ من بہ نثارِ تو ہمہ قلبِ قلبِ فگارِ ما

ز نقوشِ من بہ حدیثِ تو بہ کنم بیاں بہ حضورِ تو
تو ہزار دشمنِ جاں شدی صنما بیا بہ کنارِ ما

ز شرابِ حسن نہ طالبم کہ خمارِ حسن ہنوز ہست
دلِ دردمند رقیب شد ز وصالِ جملہ فرارِ ما

ہمہ آفتابِ جلال شو ہمہ ماہتابِ جمال شو
ولے دردِ دل نہ شمار کن کہ نجالتی ز وقارِ ما

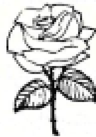
همه رازِ دردِ دلم بگو همه نازِ دامِ فریب کن
همه خوابِ خوابِ دوامِ تو همه طرابِ دامِ حصارِ ما

تو طبیبِ جانِ حزیں شدی تو همه حاذقی تو چه رحمتی؟
تو دوائے سوزِ درونِ ما تو قرارِ دلِ زارِ ما

تو نسیمِ نغمه سرا بگو همه داستانِ وفا بگو
که تو خط کشیده نگارِ ما که هزار جانِ بهارِ ما

تو شمیمِ گلشنِ جاں شدی تو روائے زخمِ نہاں شدی
تو بیا که روحِ عصامِ تو به امیدِ وصلِ تو یارِ ما





"جعدِ مشکیں که به پائے بتِ طنّاز رسد"
ساقِ سیمیں شده گل رنگ به شہناز رسد

هیچ حاصل نه شود جز به طوافِ جاناں
حسنِ جاناں همی خواهد به یک آواز رسد

دردِ آهِ دلِ من درد که دارد اثرے
لیکن آں نقش نه دارم که به افراز رسد

پرسشِ حالِ دلِ من به چه کارے داری؟
شده مجروح دلِ من نه به دم ساز رسد

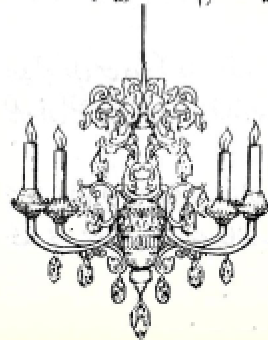
"ہر کہ آمد بہ جہاں نقشِ خرابی دارد"
در خرابات کسے نیست بہ اعزاز رسد

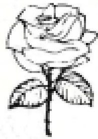
حیلہ و مکر و فن و عشوہ طرازی افسوں
ہر چہ آید بہ دلم از بتِ غماز رسد

نقشِ قلاشی و محرومی و نایابیِ زر
ہمہ شوریدہ سری از زرِ زر ساز رسد

فیضِ نغمہ نہ و بہ شعر کسے را بہ جہاں
بجز آں شعر کہ با ارشد و صد ناز رسد

کس نہ باشد بہ جہاں آں کہ مبارک باشد
ایں عصام کہ در امریکہ بہ ممتاز رسد



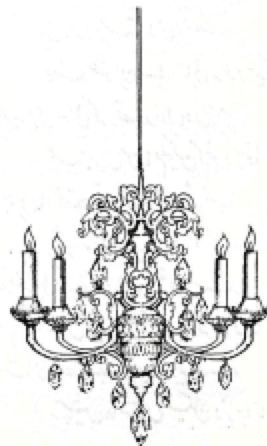


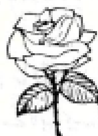
"نظر بر روئے ساقی دارد و مستانہ می رقصد"
بصد عنوانِ بے تابی زخود بیگانہ می رقصد
نہ حیرانم بہ ایں ساقی کہ رقصند اہلِ دل پیہم
عجب حیراں من ام لیکن کہ خود میخانہ می رقصد
نہ از کیفِ جمالِ او فقط رقصد ہمیں دُنیا
شرر در قلبِ ہر ذرہ عجب رندانہ می رقصد
زکارِ صد تغیر ہا فلک ویراں چو صحرا شد
ببیں ایں جبرِ ہر کوکب کہ در ویرانہ می رقصد
ہجومِ عاشقاں رقصد بصد امیدِ دیدارے
بہ پیشِ عاشقاں لیکن دریجا نانہ می رقصد

بصد اندازِ خاموشی طوافِ اہلِ زر باشد
بصد غوغا و سرمستی دلِ دیوانہ می رقصد

بہارِ نو بہ نو خواہد گلِ رنگیں ز رخسارش
گلابِ عارضِ جاناں چو صد مرجانہ می رقصد

عصام آں شاعرِ خوبی کہ از طنز و نمک پاشی
شکستہ دل نہ شد ہرگز دلش شاہانہ می رقصد





در مقامِ درد ویرانی ہنوز
در حریمِ قلب حیرانی ہنوز

شُربِ ما از نازہائے چشمِ او
در نیاز و ناز ارزانی ہنوز

نازِ صد جاناں فروغِ علمِ خود
نقش ہائے کارِ انسانی ہنوز

علم آید منکشف بر روئے دوست
بارشِ اسرارِ روحانی ہنوز

عشوہ ہائے عشقِ او پایندہ تر
رقص ہائے نورِ عرفانی ہنوز

روحِ ما از حسنِ او نقشِ دگر
رمزہائے کارِ ایمانی ہنوز

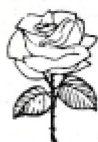
دردِ ما در لغزشِ اقدامِ دوست
بر مقامِ دردِ رحمانی ہنوز

جلوہ ہائے ماہ در آبِ رواں
خود گہر در کارِ تابانی ہنوز

در دیارِ شعر آں رشکِ حنا
شد نظامِ شعر خاقانی ہنوز

گفتہ خسرو شعر زندہ اے عصام
در حصارِ شعر زندانی ہنوز

"قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"



پئے سیرِ صحنِ گلشن کہ نگار خواہی آمد
شدہ مستِ نغمہ بلبل کہ بہار خواہی آمد

دمے آں کہ شعر افشاں بہ نہار خواہی آمد
سرِ شاخِ گل ہزاراں کہ ہزار خواہی آمد

چہ ہزار کیف دارد ہمہ چشمِ جانِ جاناں
دلِ دشت و کوہ و دریا بہ نثار خواہی آمد

ہمہ انتشارِ ہستی ہمہ اضطرارِ قلبی
ز دلم شود گریزاں کہ قرار خواہی آمد

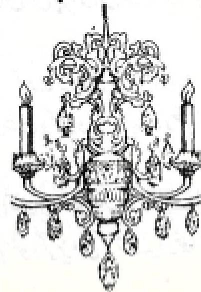
تو نگارِ آتشینی تو شرارِ دلنشینی
ہمہ آتشِ جوانی بہ شرار خواہی آمد

ہمہ کارِ مے پرستی ہمہ جامِ عشق و مستی
ہمہ رندِ مست و رقصاں کہ خمار خواہی آمد

بہ بہارِ نغمہ خوانی شدہ نشترِ جوانی
دلِ شادِ عاشقاں ہم بہ نگار خواہی آمد

ہمہ غنچہ ہا دمیدہ ہمہ آہواں رمیدہ
" دل و جاں فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد "

ایں عصامِ دل گرفتہ تو بیا کہ زندہ ماند
" پس از آں کہ اُو نہ ماند بہ چہ کار خواہی آمد "





" دلم در عاشقی دیوانہ شد دیوانہ تر بادا "
نفس از بندگی بیگانہ شد بیگانہ تر بادا

نگہ ماہر بہ قتلِ عاشقاں با صد ہنر باشد
نظر در کافری فرزانہ شد فرزانہ تر بادا

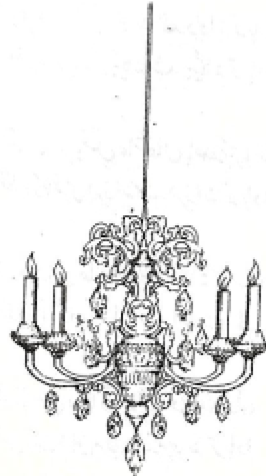
ز صوتِ حسن خاموشی نگہ افسانہ می سازد
نظر در آذری افسانہ شد افسانہ تر بادا

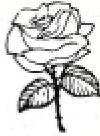
شرارِ حسنِ رعنائی چہ عکاسی کند در دل
شفق رنگِ نہاں مرجانہ شد مرجانہ تر بادا

ہمہ مقتولِ لبنانی شکارِ ظلمِ صیہونی
دلم در حریت دیوانہ شد دیوانہ تر بادا

بدن سیمیں ادا رنگیں ہمہ نازِ پریخانہ
شبابِ مہوشاں میخانہ شد میخانہ تر بادا

قرارِ زندگی آید ہمہ رنگیں بہ تو عصام
قرارِ زندگی نذرانہ شد نذرانہ تر بادا





"اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری"
اے آتشِ سوزِ دل تو رنگِ کفے داری

اے دیدۂ خوں بارے تو نازِ شفق آئی
اے غنچۂ بے تابے تو رنگِ لبے داری

آئینۂ قلبِ ما یک نقشِ حسیں دارد
آں نقش کہ من دارم در نازِ شبے داری

از نازِ ستم گارے از نقشِ فسوں کارے
یک صبح مبیں آید یک شامِ رخے داری

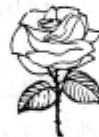
مظلومِ جہاں باشی اے رہبرِ دیرینہ
اے خونِ شہیداں تو یک لالہ وشے داری

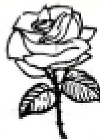
اے نغمۂ محبوبی اے غنچۂ مطلوبی
در گلشنِ دامانت تو نازِ گلے داری

تو نازشِ سلطانے تو قبلۂ رخسارے
بر عارضِ گلگونت تو نازِ شبے داری

اے شبنمِ رخسارے اے جلوۂ دیدارے
بر عاشقِ دلگیرت صد کیفِ دلے داری

صد جانِ عصام آید چوں لالۂ صحرائی
اے جلوۂ رعنائی تو سرو قدے داری





رنگِ رخِ یارِ مبیں صبحِ درخشاں پرورد
در ورطۂ خوابِ حسیں سحرِ نمایاں پرورد

از ناز کردہ احمریں ہر گوشۂ رنگِ شفق
عکسِ فروزاں یم بہ یم دریا بہ داماں پرورد

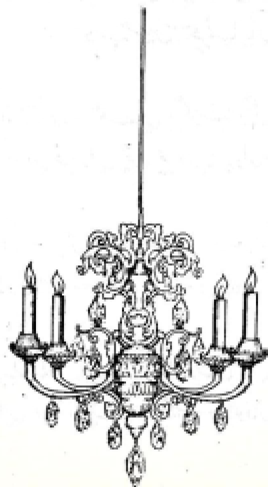
در کشورِ خالِ سیہ رخسار جادو می کند
از عارضِ شعلہ فشاں قوسِ نگاراں پرورد

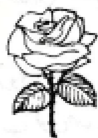
بے ساز ہم ایں زندگی نغمہ کناں مثلِ رباب
ایں نغمہ زارِ بندگی را طیشِ طوفاں پرورد

لرزد شبِ تیرہ بہم از تابشِ انوارِ دوست
دردِ فروغِ روز و شب صد رشکِ ریحاں پرورد

در وسعتِ بیم و رجا یک لرزشِ نازِ حسیں
بر طشتِ قلبِ خوں چکاں لعلِ بدخشاں پرورد

قاآنیِ شیریں مقال آں گلشنِ شعر و سخن
با تو عصامِ ہفت خواں انوارِ عرفاں پرورد





وصل است و جاناں در حیا خونِ تمنا ریخت
از تابشِ چشمِ حسیں تابِ تماشا ریختہ

از لمعۂ رنگِ جبیں پُر نور کردہ شام را
از عارضِ شعلہ فشاں صبحِ مجلّا ریختہ

از آتشِ رُخسارِ خود پُر سوز کردہ عشق را
از ناوکِ بیدادگر ذوقِ تقاضا ریخت

ساقی توئی بادہ توئی مینا توئی شیشہ توئی
اے تو چرا دل کردہ ما را بہ دشنہ ریختہ

روحِ نشاطِ جاوداں رشکِ نگارِ بوستاں
اے آبروئے گلستاں حسنِ دل آرا ریختہ

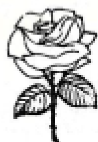
اے مرہمِ زخمِ دروں اے ساحلِ بحرِ فسوں
از نقش ہائے آب گوں صد سنگِ خارا ریختہ

یا ہم عجب رنگِ خوشی در کارگاہِ زندگی
از دیدۂ پُرنم توئی خوابِ زلیخا ریختہ

آمد عصام بے خبر خوں شد بہ غم قلب و جگر
آہنگِ قاآنی مگر چوں سیل نغمہ ریختہ

---

۱ وِل کردن چھوڑ دینا، علیحدہ کرنا



آں حسنِ جواں رنگ دہد بندِ قبا را
آں چشمِ سیہ تیز کند نبضِ قضا را

رنگیں شدہ ہر دست ز خونِ دلِ معصوم
آں دستِ جفا سرخ کند رنگِ حنا را

آہِ دلِ مجبور بر آورد بہ فریاد
فریادرسے اذن دہد کارِ دعا را

آید ہمہ مشموم ز خوشبوئے معطر
عطرِ رخِ پُر نور کند مست صبا را

چوں رنگِ تبسم شدہ داروے جراحت
اندازِ تبسم دہد اعجاز دوا را

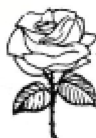
نغماتِ لبِ حسن شود نازِ ترنم
اندازِ بیاں عشوہ دہد رنگِ نوا را

آں تندو ستم گار و جفا کار و فسوں کار
خونِ دلِ عشاق دہد رنگ وغا را

عرفی بہ سرآید بصد اندازِ ترنم
آں راز عصامِ کہ کند مست غنا را

"عرفی تو میندیش ز غوغاے رقیباں
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را





تو اگر سردار باشی با ہنر سردار باش
صاحبِ الطاف شو ہم نازشِ کردار باش

در بہارِ دین و دنیا یک نفس تازہ بدہ
بر سریرِ حسنِ عالم نغمۂ دلدار باش

دولتِ دنیا نہ دارد رشتہ با انوارِ دل
نازشِ انوارِ دل تو صاحبِ اقدار باش

کبر و نخوت باز آید بے مقام و بے اثر
تو صفاتِ حلم را از خود علمبردار باش

تو اگر زردار باشی بر توئی این خوب تر
خلق خواهد در حقیقت در عمل زردار باش

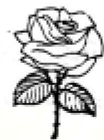
انتشارِ بیکراں را تو اگر منزل نشاں
مالکِ بے نامِ خود در ہر نفس بیدار باش

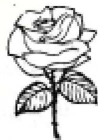
اضطرارِ این و آں را تو طبیبِ حاذقی
آبشارِ خوش نوا با نغمۂ خوددار باش

ہیچ آید زندگی گر تو نہ بینی روئے یار
ہم چوں نرگس در جہاں با جذبۂ دیدار باش

راست گوید اے عصام آں عرفیِ رنگیں بیاں
وسعتِ بیدارِ خود ہرگز نہ تو نادار باش

ـــہ "خوک باش و خرس باش و یا سگِ مردار باش
ہرچہ باشی باش عرفی اند کے زردار باش





دیوانہ نہ گشتم من فرزانہ نہ ہستم من
بر نرگسِ بیمارت وارفتہ و مستم من

در شہر و بیابانم بے فیض نہ گشتم من
در شورش و سرمستی ہر چند گسستم من

از بندشِ مے نوشی ہرگز نہ گلہ دارم
آں رندِ بلا نوشم میخانہ شکستم من

افسانۂ رازِ دل می سازد و می گوید
افسانۂ دل لیکن آں بود کہ دستم من

ہم خواب نہ دارم من جز قصۂ قلّاشاں
دارا و سکندر را افسانہ نہ گفتم من

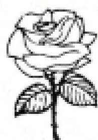
چوں شعلہ صفت آمد آں شوخ ستم گارے
از لغزشِ مستانہ ہر لحظہ شگفتم من

ہرگز نہ پسندم من ایں یاوہ و لفّاظی
از نیزۂ گفتارش سوفار گرفتم من

"آمادہ بہ قتلِ من آں شوخ ستم گارے"
از تیغِ نگاہِ اُو پیوستہ بکشتم من

آں رہبرِ فرزانہ از دورِ جہاں بیں رفت
یا دیکہ بہ دل بستم از ذہن نہ شستم من

در دہرِ عصّام تو صد رشک سخنور شُد
ایں تحفۂ فارسؔ ہم از دل بہ گرفتم من



ایں نقرۂ گفتارش نغمہ بہ رباب اندر
گل کاریِ رفتارش انجم بہ سحاب اندر

آں حسنِ شفق سیرے آں نقشِ سحر خوابے
یک گوہرِ شب تابے تابندہ بہ آب اندر

آں مہوشِ رنگینے آں گوہرِ لعلِ لب
چوں لالۂ صحرائی سرخی بہ شباب اندر

در جوشِ شباب او دریا بہ تلاطم بیں
موجِ یمِ حسنِ او صحرا بہ سراب اندر

آں جسمِ شفق آگیں خود انجمِ شب تابے
ایں زینتِ کوکب ہیں لمعہ بہ شہاب اندر

افگندہ بہ عارض ہیں آں گیسوئے خم دادہ
گل ہائے تبسم ہیں چوں طفل بہ خواب اندر

انفاسِ معطر ہیں در زیر و بم سینہ
رنگِ رخِ مہ نازے خوشبو بہ گلاب اندر

خود منزلِ مے کش شد یک جامِ فنائے دل
ایں عالمِ فانی کن غرقِ مے ناب اندر

در لالہ و سوسن ہیں یک نقشِ حسیں رنگے
ایں موجِ شباب او دریا بہ حباب اندر

ایں رنگِ عصامؔ خود رخشندہ چوں حافظؔ ہیں
ایں خندۂ دردِ دل مستی بہ شراب اندر



قیدِ ہزار و بندشِ زنجیرم آرزوست
گیسوئے شکبار و شبِ تیرم آرزوست

رنگیں ز حسنِ یار ہمہ نقش ہائے زخم
ابروئے حسنِ یار چوں شمشیرم آرزوست

جامِ سفید رنگ شد احمر ز عکسِ یار
خالِ حسین و عشوۂ دلگیرم آرزوست

رخشندہ روئے یار ز تحریرِ قلبِ ما
تاثیرِ رنگ رنگ ز تحریرم آرزوست

تعبیرِ خوابِ ما کند ارزاں متاعِ دل
لطفِ وصالِ یار ز تعبیرم آرزوست

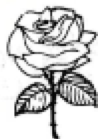
عالم تمام حلقہ بگوشِ نظامِ حسن
آں حسنِ ماہتاب ز تصویرم آرزوست

در شوقِ وصلِ یار گسستم تمام بند
مجرم بہ شوق گشتم و تعزیرم آرزوست

از موسمِ بہار نہ دارم تعلقے
مارا بہارِ موسمِ تنویرم آرزوست

من از کتابِ فلسفہ یک نکتہ آوردم
حرفِ حسین دارم و تفسیرم آرزوست

ایں شاعرِ جمال عصامم عجیب ہست
کارم ز شعرِ او ہمہ تشہیرم آرزوست



ما خندہ ہائے گلشنِ زیبا نوشتہ ایم
رقصِ شرر ز سرخیٔ غازہ نوشتہ ایم

قاصر من ام ز جُرمِ شرابِ وصالِ او
تاریخ ساز حرفِ شکیبا نوشتہ ایم

تا صدمۂ حیات نہ گیرد بساطِ غم
ما داستانِ حرفِ معلیٰ نوشتہ ایم

مُرسلؐ نیاز دارد و تابِ جمالِ دوست
حُسنِ نگارِ نازشِ عقبیٰ نوشتہ ایم

خلقے درایں حیات کند کارِ دلپسند
ما ہم حیاتِ رہبرِ زندہ نوشتہ ایم

گل زخم زخم بودہ چمن لخت لخت شد
از خود فشارِ گریۂ غنچہ نوشتہ ایم

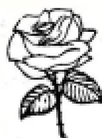
رنگینیِ ہزار دبد رنگِ روئے یار
تصویرِ حسنِ یارِ شگفتہ نوشتہ ایم

ہر خوابِ ما گرفتۂ محمل نہ شد بہ دل
ایں کاوشِ قرار بہ گریہ نوشتہ ایم

اذنِ نگاہِ دوست شود خوابِ زندگی
ایں خوابِ حسنِ یار بہ صہبا نوشتہ ایم

آں تاج دارِ جانِ غزل غالبؔ جواں
یک شعراے عصام بہ خود را نوشتہ ایم

؎ "آغشتہ ایم بر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم"



زچشمِ نازِ بدمستی بصد بیداری رقصم
سکوں در دل مگر دارم بہ حکمِ یار می رقصم

گماں دارم نہاں در دل کہ یک صبحِ حسیں آید
خوشا وقتے کہ شب باقی و من بیدار می رقصم

عجب دردیست اندر دل کہ سوز و روحِ پنہانی
مگر آں سوزِ پندارم کہ آتش بار می رقصم

برنگِ حسنِ محبوبی فنا گشتم چوں پروانہ
بگردِ شعلۂ عارض بصد ہشیار می رقصم

همه بیتِ محبت را سرایم پیشِ محبوبے
مثالِ موجهٔ دریا چوں موسیقاری رقصم

تبسم هائے معشوقے کند فتنه بپا پیهم
منِ بیدل به سرمستی سرِ بازاری رقصم

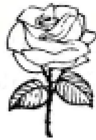
ندا آید به دل اندر همه کارم به کار آید
چنیں مسرور من گشتم به نوکِ خاری رقصم

پری چهره نگاراں هم عجب رنگِ شفق دارند
به ایں حسنِ شفق زاراں شبِ بیداری رقصم

تو اے نازِ حسیں پیکر بیا تا رونمائی کن
برنگِ موجِ خوں بارے به لاله زاری رقصم

برنگِ پیرِ مروندیؔ عصامؔ آید غزل امشب
مگر نازم به عثمانے که سیهونؔ واری رقصم

؎ نامِ قصبه آں جا که مزارِ حضرت عثمان مروندی است۔



نازِ خوابِ کهکشاں آید همی
فخرِ حسنِ مهوشاں آید همی

اے بهاراں رقص کُن در موجِ مے
جانِ جانِ دلبراں آید همی

یادگارِ نغمهٔ جادوئے دوست
بازخوان و نغمه خواں آید همی

آفتابے روئے روشن بے نقاب
خیره زن شعله فشاں آید همی

زندگی چوں بود در موجِ رواں
با عنایت پرفشاں آید ہمی

در بہارِ جاوداں آں نازنیں
ناز فرما مہرباں آید ہمی

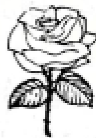
چوں کمانِ جنبشِ ابروئے دوست
شفقتِ آبِ رواں آید ہمی

در فضائے رنگ و بو آں دلربا
داستاں در داستاں آید ہمی

احمریں از حسن چوں رنگِ حنا
لالہ صد بوستاں آید ہمی

در سرودِ رودکی ایں شعرِ من
دلنشین و دلستاں آید ہمی

اے عصامِ مدح خواں آں نازنیں
مہربان و شادماں آید ہمی



فروغِ آتشیں در کوزہ و پیمانہ می بینم
سرورِ دلنشیں در نرگسِ مستانہ می بینم

نگارِ مہ لقا آید ز خود خنداں و درخشندہ
ز روئے آفتابِ او چمن خم خانہ می بینم

سحر پیدا شود از عارضِ رنگین و گل افشاں
شرر لرزاں ز حسنِ عارضِ مرجانہ می بینم

نگارِ ماہ وش رفتہ بہ کارِ دل ربائی را
بغیر از کفرِ نازِ او چمن ویرانہ می بینم

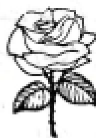
ربود از قلبِ وجد آگیں ہمہ احساسِ دل آرا
بصد اندازِ غم خود را ز خود بیگانہ می بینم

بصد اندازِ یکتائی بہ غایت شانِ زیبائی
نقوشِ مہ وشاں با طلعتِ دُردانہ می بینم

نمازِ زاہداں باشد فروغِ شہرتِ تقویٰ
نمازِ عاشقاں با غمزۂ دیوانہ می بینم

بہ پیشِ ساقیِ دلبر ز خود آید عصام امشب
منِ بیدل بہ خم خانہ رخِ جانانہ می بینم





کاکل بہ رخ کشید و صبا را بہانہ ساخت
دستِ حسیں نہاد و حیا را بہانہ ساخت

ساقی ز حسنِ ناز برافروز دردِ دل
زخمِ ہزار داد و شفا را بہانہ ساخت

نغمہ ز لعلِ لب بہ حضورِ فغاں نصیب
با کیف و کم فتاد و نوا را بہانہ ساخت

حسنِ نظر نواز کند عالمے قشنگ
انوارِ رخ نہاد و ضیا را بہانہ ساخت

از خنجرِ نگاہ کند قتل یک جہاں
تزیینِ دست کردہ حنا را بہانہ ساخت

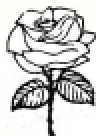
طنّازِ حسن داشت ہمہ رنگِ دلنشیں
رخشندگیِ قوس نما را بہانہ ساخت

نظّارہ کرد بر سرِ افلاک مہر و ماہ
ما را چوں دید حسنِ خلا را بہانہ ساخت

سحرِ ہزار داشت بہ رفتارِ نازِ خود
مستِ خرام گشت و قضا را بہانہ ساخت

از شوق جاں فروخت عصامِ تو اے نگار
طعنہ دہد عدو کہ ریا را بہانہ ساخت





اے رشکِ کہکشاں کہ بہ محمل نشستہ ای
گوید خیالِ من کہ مقابل نشستہ ای

ہر جا کہ می رسی ہمہ رنگیں شود ز نور
اے بے خبر ببیں کہ تو در دل نشستہ ای

خوشبوئے زلفِ یار کہ آید ز ماہوش
گوید بہ شاخِ گل بہ عنادل نشستہ ای

آں داستانِ نور کہ دارد مشامِ جاں
فرخندہ تر ز ناز کہ شامل نشستہ ای

با درد بے حساب و شفایاب می رسم
بر منزلِ جمال کہ حامل نشستہ ای

بر جلوہ گاہِ ناز بہ خوبانِ رنگ رنگ
اے رشکِ انجمن تو بہ محفل نشستہ ای

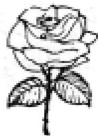
در پیچ و تابِ زلف در اسرارِ نیم شب
در شامِ قیروانِ منازل نشستہ ای

از چشمِ سرمہ گیں بہ کشی قتلِ یک جہاں
اے حسنِ تمکنت تو چہ قاتل نشستہ ای

با حسنِ لاجواب سرِ رود بارِ دل
با زمیِ جمال بہ ساحل نشستہ ای

اے حسنِ دلنواز مزیّن شدہ ز نور
چوں ماہِ نیم ماہ چہ کامل نشستہ ای

بے خود کند عصّام ہمہ رنجشِ فراق
لیکن تو اے طبیب چہ غافل نشستہ ای



درد نزدِ قلب دارم ہم چوں درمانِ دگر
فیضِ جذبِ عشق دارم مثلِ کنعانِ دگر

در بصیرت در طریقت چشمِ ناز آید بہ ما
ہم نیاز و ناز دارم ہم چوں عرفانِ دگر

ایں نظامِ حسن را الزام سازند اہلِ دل
خوں فشانیِ چشم را زیبد بہ پیکانِ دگر

روئے روشن موئے اسود چشمِ شبگوں مے گسار
دامنِ دل تار تار از تیر و پیکانِ دگر

ہم نگارِ حسنِ رنگیں ہم نگاہِ لطفِ دوست
می شود رنگین تر از رنگِ ایوانِ دگر

در نظر مستور باشد در عمل منظورِ عام
شد مقامِ کیف و مستی نقشِ عنوانِ دگر

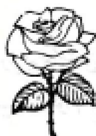
عشقِ ما ماہِ تمامی از شمامِ آں جناب
در اطاعت لطف دارم ہم چوں عثمانؓ دگر

تاب و تب ہرگز نہ دارم زہد و تقوی می کنم
"ما فنا فی العشق" ہستم در خیابانِ دگر

فردِ پیرِ منفرد گوید عصامِ خوش نوا
بیت دلکش دلربا با سوز و ایقانِ دگر

"لغزشِ مستانہ در رفتار و جامِ مے بکف
رخصت اے تقویٰ کہ یار آمد بہ سامانِ دگر"

(فرد)



چنیں معشوق نہ دارم کہ بہ سرجوشی را
از دلِ خویش کند کارِ ہم آغوشی را

ایں خراباتِ جہاں داشت چہ میخانۂ خواب
چشمِ ساقی چہ کند عالمِ مے نوشی را

تار ہائے رگِ جاں سوختہ از سوزِ دروں
نیست انوارِ جہاں قصۂ گل پوشی را

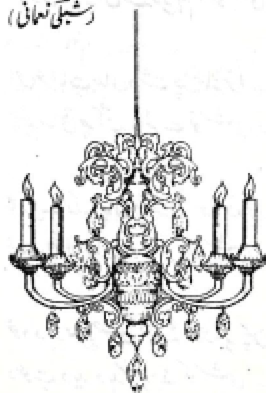
خود دہد سرو حسیں نغمۂ اندازِ چمن
دعوتِ دید دہد کارِ جفا کوشی را

آں نگارِ غم بیدار کہ دارد فکرے
دم بہ دم پیش کند جذبۂ دل کوشی را

دلِ بیدار بہ سرجوشیٔ اندازِ حرم
خود بہ تدبیر زند خواہشِ مے نوشی را

آں قرارِ دلِ پردرد کہ دارم امشب
بر عصامِ غلط آں قصۂ بے ہوشی را

من فدائے بتِ شوخے کہ بہ ہنگامِ وصال
بہ من آموخت خود آئینِ ہم آغوشی را
(شبلی نعمانی)





شرمگیں ہرگز نہ باشی خود ریاکار آمدی
"خود بہ خود آزاد بودی خود گرفتار آمدی"

ہر دلِ مظلوم را مصلوب کردی از ستم
موجِ خونِ بیکساں را سیلِ کہسار آمدی

خلق را بیزار کردی بر شدایدِ می روی
بر دلِ مجروحِ ما تو بہرِ پیکار آمدی

حرف زن ہرگز نہ باشی جز بہ آوازِ کرخت
از سحابِ چرخِ وحشت تو شرربار آمدی

تو چرا عزلت گزینی تو چرا غربت نشاں
ایں فلاکت دور گردد گر تو زردار آمدی

بے سزا ہرگز نہ باشی تا نہ کردی کارِ شر
غرق در قعرِ مذلت خود گنہگار آمدی

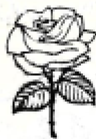
نالہ ہائے نیم شب در جلوہ گاہِ عرش و فرش
با سرودِ روح پرور تو فسوں کار آمدی

کاروانِ زلف را ہرگز نقابِ شام نیست
با طلسمِ رنگِ گیسو تو بہ گلزار آمدی

غیرتِ نظّارہ باشد آفتابِ روئے دوست
بر سرِ حسنِ عارض تو شفق زار آمدی

ایں عصامِ بے نوا را چاکری منظور نیست
تو چرا با نقشِ رنگیں خود طرحدار آمدی





در ایں حالِ پریشانی سخن را درمیاں کردی
نقابِ حسنِ خاموشی زبانِ گلستاں کردی

چرا ہم چشمِ عنّابی سوادِ کہکشاں کردی
چرا حسنِ نگارِ دل نہاں اندر نہاں کردی

مپرس اے دل جفائے او کہ دارم رسمِ خاموشی
ببیں زخمِ شدایدرا کہ با عزمِ جواں کردی

چرا گوئی کہ مے داری چرا گوئی کہ بد مستی
بہ کف داری اگر ساغر چرا تشنہ دہاں کردی

چوں داری گیسوئے شب گوں ستم کیش و فسوں کاری
صباحِ عارضِ گل گوں رموزِ داستاں کردی

سمن زارِ محبت بیں کہ دارد رنگِ محبوبی
ہمہ اشکِ شفق رنگے نگارِ آسماں کردی

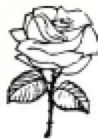
من از شورِ عنادل ہم من از شورِ نشیدِ غم
نہ نالم چوں خموشی را زبانِ بے زباں کردی

زگلزارِ دلِ غمگیں صدائے دمبدم آید
خزاں کردی خزاں کردی خزاں کردی

شعارِ داغِ مہجوری شعورِ چشمِ منظوری
دہد خوابِ وقارِ ما کہ قتلِ خوں فشاں کردی

رواں شد جامِ یک رنگے مگر ساقی نہ بہتام شب
ہماں ساقی کہ در عالم فگندہ کارواں کردی

شمامِ حسنِ عالم را اعصام ارزد بہ دل اندر
کہ ایں قلبِ شگفتہ را بہارِ بے اماں کردی



کشد بر رخ حجابِ او نقاب آہستہ آہستہ
شفق از بامِ او گیرد شراب آہستہ آہستہ

کلامے از کلیمِ من شتاب آید بہ دل اندر
بصد مشکل رود از من جواب آہستہ آہستہ

بہ بیں ساقی زچشمِ خود ہمہ رنجِ حضوری را
بصد شفقت بہ ما آید عتاب آہستہ آہستہ

نگاہِ اہلِ دل ریزد شرابِ ناب بدمستی
نگر خلق زچشمِ او خراب آہستہ آہستہ

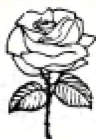
نگارِ میکدہ امشب قصص گوید بہ کامِ دل
ہمہ حسنِ بیاں سازد کتاب آہستہ آہستہ

نمازِ زاہداں دارد نہ عرفانے نہ فرقانے
نمازِ عاشقاں نازد بہ خواب آہستہ آہستہ

حجابِ تند بر عارض چہ شعلہ میکند پیدا؟
شبابِ حسن خود ریزد شہاب آہستہ آہستہ

شہیدِ جاوداں اے دل جواں مثلِ حقیقت است
کند نازِ عقیدت باریاب آہستہ آہستہ

پری چہرہ نگارے را عصام ارزد چرا اے دل؟
نگارِ ناز خود آید شتاب آہستہ آہستہ



نشاطِ فکر دارد کیفِ مستور
دلِ من از شرابِ ناب مخمور

ادائے او تبسم ہائے رنگیں
نگاہِ او شرارِ برقِ معمور

فروغِ دل سحر پرور تموّج
شعورِ غم علاجِ قلبِ مجبور

کند روشن ہمہ عالم ز نغمہ
عجب نغمہ بہ طرزِ آہِ منصور

نظامِ حسن گیرد آتشیں رنگ
ہمہ عالم شعاعِ مہرِ مسرور

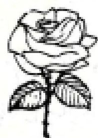
نگارِ مرمریں رنگیں چوں لالہ
شفق اندر شفق مسرور و مشکور

حبابِ سینہ رنگیں چوں گنبد
دو موجِ یم لبِ دریائے مغرور

نگارِ دلنشیں خواہد ز عشّاق
خراجِ نازِ شرحِ رسم مجبور

شرابِ حسن آید شبنم آسا
شبابِ او صحت مندیِ مزدور

عصامِ خوش نوا سازد چہ نغمہ
عجب رنگیں عجب معروف و مسرور



خرامِ نازِ رعنائی شعارِ دل ربا کردی
حبابِ نوعروساں ہم شکستہ چوں دعا کردی

سخن گفتی و دُر سُفتی بہ صحبت ہائے نوخیزاں
چو ہم رازِ نہانی بیانِ برملا کردی

بیانِ درسِ عشقِ ہم نیاز و نازِ معشوقاں
ہمہ اسرارِ برنائی سرِ محفل ادا کردی

ہمہ کارِ گنہ کردی بہ شرحِ نامِ معصوماں
مگر در خانۂ مسجد نمازِ باصفا کردی

عجب تقویٰ بہ دل داری کہ شیطاں ہم شود نازل
عجب سودا بہ سرداری کہ بازی با خدا کردی

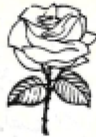
عجب دردِ جگر دارم کہ ہنگامِ دعا کردن
شکایت می کنم جاناں بہارِ بے بہا کردی

بہ طرحِ شانِ محبوبی بہ شرحِ حسنِ یاقوتی
نگارِ گلستاں آئی چوں رنگِ خود حنا کردی

قتیلِ نرگسِ شہلا اگر گشتم ز تو ساقی
چرا از نوکِ مژگانت چنیں مقتل بپا کردی

کتابِ دل رقم کردی ز خونِ عاشقاں ہیم
چہ نظمِ دل ربا گوئی ترنم چوں صبا کردی

عصامِ خوش نوا دارد ہمہ طرزِ چمن بندی
چرا ایں رنگِ عنابی متاعِ کہربا کردی



”نے تابِ وصل دارم نے طاقت جدائی“

ہم نازِ خواب داری ہم نغمۂ غنائی
ہم حسنِ حسنِ عالم چوں جلوۂ رسائی
با گیسوئے درازے تو شامِ مہ لقائی
خواہم ہزار لیکن ما را نہ دل ربائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

روحِ ریاضِ جنت تو سرو رہ گذارے
نازِ وقارِ راحت تو شامِ پر بہارے
چوں غنچۂ تبسم بر سمتِ لالہ زارے
من دعوتِ سراپا لیکن نہ باز آئی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

توسازِ زندگی را خود نغمہ و ترنم
تو کارِ عاشقی را یک شبنمی تبسم
تو رازِ دلبری ہم صوتے بصد تکلم
پیشِ نگاہِ عاشق ہرگز نہ رو نمائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

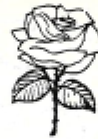
اے جلوۂ حقیقت باکیف و درد و راحت
اے نغمۂ مسرت برتر ز تو صباحت
اے قامتِ بلندی با فتنۂ قیامت
رنگِ ہزار داری لیکن نہ دل کشائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

اے رنگِ صد صباحت اے نورِ آفتابے
اے جلوۂ وجاہت ہم رنگِ ماہ تابے
اے نغمۂ صداقت با حسنِ بے نقابے
گو صوتِ دلپذیری لیکن نہ نغمہ سائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

نقشِ عجیب از تو در کارِ حسن پیدا
الفائے قول داری با نظمِ صد ہویدا
تو فیضِ آب داری چوں نہرِ آں زبیدہ
ایں خوب گشت لیکن دل را چرا ستائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

تو ساحلِ مرادے ہم بحرِ بیکرانے
تو کشتیٔ تمنا تو زورِ بادبانے
تو نغمۂ تلاطم با کیفِ داستانے
من دل گرفتہ لیکن تو پیکرِ جفائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

تو اے عصامِ نازاں بر نقشِ روئے انور
ہر روز کن نمازے چوں نغمۂ مکرر
عرضِ سوال خود کن پیشِ حضورِ اطہر
آید بہ ما یقیناً آں نورِ رہ نمائی
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی



"عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن"

عاشقِ زلفِ دوتا کاملِ ایماں بودن
کعبۂ چشمِ سیہ زائرِ حیراں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

نالۂ آہِ رسا صاحبِ ارماں بودن
واقفِ سِرِّ نہاں حاصلِ عرفاں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

طالبِ چشمِ کرم صاحبِ نظراں بودن
قسمتِ فیضِ جواں رشکِ نگاراں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

ظلمتِ شامِ جہاں شمعِ شبستاں بودن
مصدرِ رازِ جنوں کاشفِ نازاں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

جلوۂ خوابِ حسیں صبحِ غزل خواں بودن
کشتۂ شام و سحر قیدیِ ہجراں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

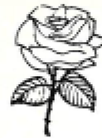
غنچۂ رنگِ سحر حسنِ ہزاراں بودن
آتشِ قلبِ دروں سوختہ ساماں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

مطلعِ قلب و نظر شورشِ زنداں بودن
مشربِ جذبِ جنوں طالبِ درماں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

کلۂ سود و زیاں ناطقِ ناداں بودن
رہ روِ راہِ حسیں مستِ خراماں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

جذبۂ شعرِ عصام آہِ فروزاں بودن
دادنِ دل بہ کسے آئینہ ساماں بودن
عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن





"من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے"

تو نازِ حسن داری ہم شدتِ نگاہے
ایں گیسوئے مسلسل ہم خطِ سبزہ گاہے
ایں لرزشِ نزاکت چوں سُنبل و گیاہے
ایں نالہ و فغانے ایں آہِ صبح گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

ایں آتشِ شباہت چوں صبحِ آفتابے
ایں رنگ رنگ خلعت ہم رنگِ ماہتابے
ہم سوزِ عشق دارد صد نازِ باریابے
ہم نازِ باریابے صد نقشِ بے پناہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

تو نقشِ صد لطافت تو بادۂ شبانہ
تو عکسِ ماہ و انجم در بحرِ بے کرانہ
تو حسنِ دلنوازے باشانِ محرمانہ
ایں شانِ محرمانہ چوں دادِ بادشاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

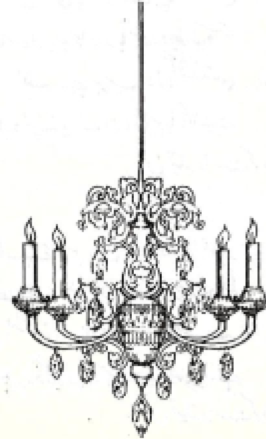
تو میکدہ بدستی باکیفِ صد صبوری
گلرنگ چوں حنائی باحسنِ نازِ نوری
دلچسپ و دلربائی بافیضِ صد حضوری
ایں فیضِ صد حضوری چوں حسنِ بازخواہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

با نامِ فیضِ مستی باکارِ مے پرستی
خود عاشقاں بہ کارند باشور و جذب و مستی
در کارِ دلفریبے ہر بندِ دل گسستی
ایں نازِ دلپذیرے ایں شامِ بارگاہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

ہم رنگ ہائے خونیں ایں سبز و زرد و احمر
ہم کشف ہائے رنگیں ایں اشک و خون و اخگر
در کارِ دلنشینی تو نازِ قطب و افسر
ہم سیرِ رہ گذارے ہم خوابِ سربراہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

توحُسنِ حسنِ عالم تو گنجِ باریابی !
تو سرمدِ نگاہے توفیضِ کامیابی
تو نقشِ کامرانی باشانِ بے نقابی
ایں شانِ بے نقابی ہم کارِ راست راہے
من قبلہ راست کردم بر سمتِ کج کلاہے

جانِ عصامِ محزوں تو صبحِ دلکشائی
تو نازِ بے نیازی با نازِ رہ نمائی
چوں خسرو امیرے تو خواجۂ رسائی
"ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے"
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے





"دارد اثرے آہِ سحرے"

تابشِ رنگے آبِ گہرے
آتشِ قلبے نورِ نظرے
حاصلِ نخلے بارِ ثمرے
کاشفِ رمزے روحِ خبرے
دیدۂ پرنم خونِ جگرے
دارد اثرے آہِ سحرے

ماہِ تمامے نازشِ دیدہ
خالِ سیاہے حسنِ رمیدہ
نشتر و ناوک زخمِ دریدہ
حسنِ جوانی موجِ قصیدہ
ذوقِ سیاحت برکتِ سفرے
دارد اثرے آہِ سحرے

صبحِ تمنا شامِ شفق گوں
زلفِ معنبر نرگسِ محزوں
عارضِ رنگیں دخترِ میگوں
حرفِ مُعَلّٰی معنی و مضموں
کارِ تجمل جلوۂ بصرے
دارد اثرے آہِ سحرے

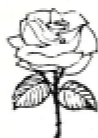
حورِ شمائل روئے منور
حسنِ مجسم بختِ سکندر
حالتِ سجدہ انجم و اختر
اے دلِ مضطر اے دلِ مضطر
نورِ محبت جلوۂ دگرے
دارد اثرے آہِ سحرے

اذنِ تماشہ ذوقِ تقاضا
خلعتِ رنگیں حُسنِ سراپا
شربِ مدامے کیفِ ہویدا
رنگِ تجلّٰی حاصلِ جلوہ
باغِ محبت زینتِ شجرے
دارد اثرے آہِ سحرے

غمزۂ الفت بہرِ سلامے
دارد ساقی صبحے نہ شامے
نقشِ مصور کارِ تمامے
قسمتِ عاشق جذبِ مدامے
جامِ محبت سُرخ چو ثمرے
دارد اثرے آہِ سحرے

شغلِ عصامِ کارِ محبت
نقشِ لطافت سوزِ عقیدت
پردۂ رنگیں پردۂ زینت
شفقت و صولت سطوت و عظمت
کارِ محبت حاصلِ نظرے
دارد اثرے آہِ سحرے





ہوا

تو قاصدِ رنگِ رعنائی تو عکسِ شرارِ یار ہوا
تو نغمۂ دلکش در دنیا تو سنبلِ[1] تو نوسار ہوا

تو جوشِ جوانی را لمعہ بر دشت و چمن بر تختۂ گل
تو ابرِ سیاہِ دلکش را یک منظرِ گوہر بار ہوا

تو گنجِ متاعِ اوکسیجن[2] خود رنگِ بہارِ حسنِ چمن
سرسبزیِ باغ حیواں را تو واحد وجہِ قرار ہوا

تو سارقِ مشکِ زلفِ حسیں تو عکسِ شمیمِ رنگِ مبیں
تو نقش و نگارِ عطرِ چمن تو دامِ خیالِ یار ہوا

طوفان و تلاطم در دریا باران و تموّج در دنیا
ایں کارِ وزیدن کار کند تو باعثِ رنگِ ہزار ہوا

آں وقتِ سحر آں نکہتِ گل آں بادِ صبا چوں ساغرِ مُل
ای حسنِ چمن ایں غمزۂ دل از شعر و سخن سرشار ہوا

گہ صدمۂ موسمِ گرم توئی گہ رنجشِ مہر چوں برف توئی
در دستِ نظامِ فطرت تو بیزار ہوا بیمار ہوا

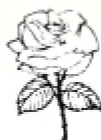
پیغامِ وصالِ یار توئی خاموش و لطیف و زار توئی
نمناکیِ چشمِ یار توئی صد خلد اثر ہموار ہوا

تو شعلہ فگن از رعد شوی از ابرِ سیہ آباد شوی
چوں اسپِ سیہ عصام ترا خود نام زند ہوار ہوا

---

[1] یک مقامِ قشنگ در وادیِ کاغان - پاکستان.

[2] OXYGEN



درمدحتِ یک دوست

برتوئ خلعتِ شاہانہ مبارک باشد
برتوئ نازِ پری خانہ مبارک باشد

چشمِ القانِ شما تا کہ نہ باشد خالی
جلوۂ شمع بہ پروانہ مبارک باشد

جامۂ حرفِ بدن چہرۂ معنی بر دل
عشرتِ نغمۂ دردانہ مبارک باشد

نغمۂ حافظ و عرفی و نظیری داری
دولتِ نازِ امیرانہ مبارک باشد

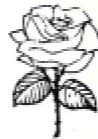
ایں دلِ خاصِ شما چونکہ جوانی دارد
غمزۂ کارِ جوانانہ مبارک باشد

تو مریخ ربیع کہ فردا ہمی آید عیدے
جلوۂ عیدِ سحرگانہ مبارک باشد

نسبتِ خاص کہ با نامِ قلندر داری
جذبۂ حسنِ رفیقانہ مبارک باشد

از عصامِ کہ شود مدح بہ اثباتِ شما
طرفِ دوست ایں نذرانہ مبارک باشد





درجوابِ نامۂ دوست

اے یارِ دلنواز و شمامِ بہارِ ما
اے رشکِ آفتاب نگہہ در قرارِ ما

ما راکبِ شرارِ غمِ روزگار ایم
تو لمعۂ قرارِ دلِ جاں نثارِ ما

ما در جہاں فسردہ و خاموش چوں قمر
تو در حیات نغمۂ رنگیں عذارِ ما

ما سیرکامِ حسنِ دل آرا نہ گشتہ ایم
تو شاد کامِ رنگِ سحر در حصارِ ما

ما جوئے بے نیاز بہ اشکِ فغانِ شب
تو موجِ شاہکارِ سرِ رود بارِ ما

ما نخلِ بے شمام و گلِ داغ داغ ایم
تو روحِ سبزہ زار و دلِ مرغزارِ ما

گم کردہ انجمن بہ فراقِ وصالِ یار
تو شمعِ انجمن بہ سرِ ہجرِ یارِ ما

ما خشک در تمازت و بے آب چوں سراب
تو بنتِ آبشار و رخِ آبشارِ ما

محروم و بے نیاز مثالِ اسیرِ شب
تو شاد چوں بنفشۂ رنگیں شعارِ ما

ہم کاوشِ خرام نہ آرد صباحِ گل
تو حسنِ صد خرام سرِ رہگذارِ ما

لیکن ہنوز راہِ حقائق نہ گشتہ ایم
ما از مقامِ صدق و حدائق نہ گشتہ ایم

باشعلۂ نگاہِ جگر تاب می رسم
با حسنِ کوہسار بہ یک خواب می رسم

آں آب و تاب دارم و ذوقِ شعارِ غم
با عزمِ کامیاب و ظفر یاب می رسم

تاب و توان و ہوش و خرد دارم دو چند
مانندِ موجِ آب بہ سیلاب می رسم

از تلخیٔ زمانہ و زخمِ عنادِ دوست
ہرگز نہ ماشکستم و عزقاب می رسم

عزمِ بلند دارم و نیروئے تہمتن
ہر چندِ ظلم ریختہ بیتاب می رسم

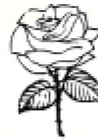
ماہم بہار دارم و لطفِ حضورؐ پاک
با حسنِ صد فسانۂ شب تاب می رسم

خواہی شود چوں کارِ جہاں کامِ زندگی
با کارِ صد ہزار دمے ناب می رسم

آں رہنمائے خاص و معین و ظفر نگاہ
با چشمِ اشکبار و شرر تاب می رسم

چوں دارم عصامِ ہمہ فیضِ دلنواز
با دردِ بے حساب و شفایاب می رسم





تو لالہ وشے داری

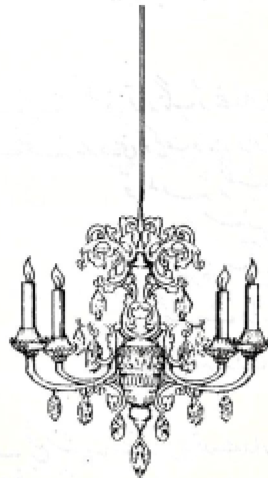
اے لالۂ صحرائی تو رنگِ گلے داری
اے جلوۂ رعنائی تو نازِ شبے داری
تو نورِ جبیں داری
تو صبحِ مبیں داری
تو شامِ حسیں داری
تو لعلِ لبے داری
اے جلوۂ رعنائی تو نازِ شبے داری

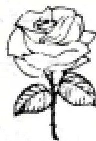
اے حسنِ شفق رنگے تو رنگِ کفے داری
اے پیکرِ شب تابے تو لالہ وشے داری
چوں موجِ صبا آئی
چوں رنگِ حیا آئی
چوں حسنِ حنا آئی
تو نازِ شبے داری
اے پیکرِ شب تابے تو لالہ وشے داری

اے غنچۂ رنگینی تو رنگِ رخے داری
اے نغمۂ پروینی تو کیفِ دمے داری
تو لمعۂ رنگینی
تو شعلۂ سینینی
تو جلوۂ سیمینی
تو رنگِ مہے داری
اے نغمۂ پروینی تو کیفِ دمے داری

اے شمعِ شبستانے تو سروِ قدے داری
از شعرِ عصامِ تو صد قربِ دلے داری

توکیفِ جواں داری
تو نازِ سحر کاری
تو شاخِ ثمر باری
تو سبزہ خطے داری
از شعرِ عصامِ تو صد قربِ دلے داری





ابرِ گریزاں

(بر فرمائشِ دوست)

پیش لفظ :-

ابر ہائے سیہ کہ از بحرِ عرب نزدِ ساحل ہائے کراچی، سندھ و بلوچستان می خیزند ایں خطہ ہا را محروم داشتہ بہ وسطِ پنجاب و سرحد می روند۔ بارانِ آب بر ساحل ہا خفیف تر ماندہ ایں علاقہ را گرم و بے آب می گذارند۔ شاعر بر ایں محرومئ آب شکوہ طراز است و لے ہم امید دارد کہ شجر ہا بہ تقاضائے قدرت ابر ا کشیدہ مائل بہ تقاطر می کنند۔

ریزد آں ابرِ سیہ جانبِ پنڈی گوہر
خاست از بحرِ عرب چشمۂ آبِ اَطہر

از کراچی شدہ رنجیدہ بہ پنجاب رود
شد کراچی بہ لبِ ساحلے دُود و اخگر

ساحلِ سندھ و کراچی بہ تو اے بحرِ عرب
حقِ واحد ہمہ دارد چوں حقوقِ شوہر

از رہِ لطف و کرم تو گہرِ آب بدہ
تا کہ ساحل شود الماس بہ رنگِ اصفر

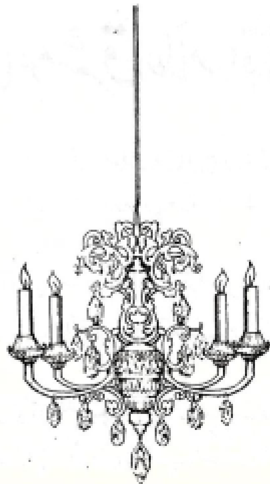
ارضِ پسنی بہ کنارِ تو ارم ہیچ نہ گشت
وادیِ دشت و دمن داشتہ مرکوزِ نظر

ارضِ پنجاب را سر سبز کند ابرِ سیہ
قطرۂ آب کند سرحد و کاغان اخضر

ارضِ بے آب مخور رنج کہ آید ام شب
بر شگالِ دلِ من با ہمہ آبِ کوثر

خود شجر ہا بکشند ابر و گہر بار کنند
مثلِ دُرِ ریزیِ چشمانِ عصامِ مضطر

۱۔ کراچی یک بندرگاہ بزرگ در پاکستان۔
۲۔ سندھ۔ پنجاب۔ سرحد۔ صوبہ جاتِ پاکستان۔
۳۔ پنڈی۔ شہرِ قدیم کہ راولپنڈی نامند نزدِ اسلام آباد (پاکستان)
۴۔ پسنی۔ یک بندرگاہ بر ساحلِ بلوچستان (پاکستان)
۵۔ وادیِ دشت و دمن۔ یک وادیِ عظیم بر ساحلِ بلوچستان (پاکستان)
۶۔ یک وادیِ معتو سواد در شمالِ پاکستان۔





شاعرِ مشرق علامہ اقبال

آمدہ اقبال خود صولت نشاں چوں آفتاب
آمدہ اقبال خود درمانِ درد و اضطراب

از ندائے رستخیز ایقانِ مسلم فیض یاب
"انقلاب و انقلاب و انقلاب و انقلاب"

آمدہ آں فلسفی آں شاعرِ اسلامیاں
نکتہ دانِ بیخودی با قلبِ صد روحانیاں

شاعرِ شمس و قمر رنگیں اثر چوں کہکشاں
شاعرِ تقدیرگر با صد خروشِ این و آں

تو طبیبِ حاذقی با نسخۂ عشقِ حجاز
تو نقیبِ نغز خواں با نغمۂ حسنِ مجاز

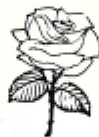
یک نوائے آتشیں با ضربتِ ضربِ کلیم
یک مجدّدِ بے گماں با خندۂ ذوقِ سلیم

یک حکیمِ عصرِ نو یک نغمۂ محفل گداز
یک کلیمِ دینِ حق ہم رہبرِ ملت نواز

پیرو کارِ پیرِ روم از فکرہا خود مثنوی
یک نوائے خوں چکاں با سوزہائے معنوی

نعرۂ بانگِ درا دارد صدائے صد جرس
نغمہ ہائے دلبری دارد شرارِ یک نفس

فکرہائے کارگر ہم صاحبِ علم الکتاب
از عصامِ نظم خواں آید سرودِ کامیاب



بانیِ پاکستان قائدِ اعظمؒ محمدؒ علی جناح

ازدیارِ نور آمد آفتابِ نور پاش
فتنہ ہائے کفر را ہر راز کردہ چاک و فاش

خود عظیم المرتبت ہم داستاں در داستاں
خود بہارِ مرحمت از بوستاں تا بوستاں

از محمدؐ از علیؑ ہم فیض یاب و کامگار
افتخارِ ہند از کارِ جناحِ نامدار

از گردہِ کفر او تسخیر کردہ مملکت
کارہائے رہبری را تیز کردہ منزلت

ایں دیارِ پاک را تصنیف کردہ چوں کتاب
از شرارِ قلب دادہ یک نفس چوں آفتاب

خود تکلم خود تبسم خود ترنم چوں رباب
یک خطیبِ آتشیں موجِ خطاب اندر خطاب

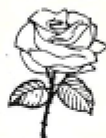
قائدِ جادو بیاں آں رہبرِ ملک و ملل
لطف ہائے مرسلینؐ دارد جزائے خوش عمل

ملکِ ما جنت نشاں پروردہ خونِ جگر
ملکِ پاکستان شد رخشندہ از رقصِ شرر

ملکِ ما محبوبِ ما مطلوبِ ما منشورِ ما
نورِ ما منظورِ ما مسرورِ ما منصورِ ما

ملک اے مختارِ کل تابندہ بادا تا ابد
ملک اے نازِ رسلؐ پائندہ بادا تا ابد

عاشقِ ملکِ حسیں عصام گوید آفریں
نازشِ چرخِ بریں نازد ہمی چوں نازنیں



انتخاب

نورافشاں شد نہ قدرت جز بہ مہر و ماہ تاب
انتخابِ حق نہ باشد جز بہ حسنِ لاجواب
خواجۂ امّی لقب یا صاحبِ اُمّ الکتاب
بے مثال و لازوال و بے سوال و لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

فطرتِ یکساں چوں سازد گوہرِ یکتا شود
در نظر معروف گردد حسنِ بے ہمتا شود
یا اویسِؓ پاک سیرت یا علیؓ بوتراب

خود ندیم و خود غمیم و خود شمیم لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

منتخب چنداں کہ گردی از نگاہِ فیض یاب
صاحبانِ وصف باشند ہم ز تقوی باریاب
یار رفیقِ غار باشد یا عمرؓ ابنِ خطاب
خوش امام و خوش مقام و خوش نظام و لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

پیکرِ صدق و صفا عثمانؓ و خالدؓ چوں عقاب
جاں سپاراں آمدہ ہم چوں بہ حمزہؓ ہم خبابؓ
یا معاذؓ و یا معوذؓ و یا ضرارؓ اندر نقاب
ہم شہید و ہم معید و ہم دمیدہ چوں گلاب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

در محاذِ جنگِ خیبر در حنین و در بدر
در نہاوند و جلولہ طائف و جندل نگر
یا مغیرہؓ یا مثنیٰؓ حضرت مادی کرابؓ
ہم جری و ہم شجیع و ہم ولی لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

در ثقافت در صحافت در شریعت بے مثال
در تمدن "امرِ ربی" حسنِ مرسلؐ لازوال
ایں جہاں گلرنگ شد چوں لالۂ رنگیں نقاب
ہم مبین و ہم معین وہم نشانِ لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

عاشقاں را درس باشد از جمالِ روئے دوست
اہلِ جذب وکیف را ہم کیف باشد بوئے دوست
ایں مقامِ عشقِ بوذرؓ زیدؓ و عمارؓ جناب
خود ادا و خود نوا و خود صدائے لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

ایں عقامِ نازپرور در پناہِ بندگی
بر فصیلِ وسطِ دنیا یک نشانِ زندگی
ہم چوں طارق نامِ قاسم تا شفیعِ لاجواب
ہم مبصر ہم مورخ ہم مشیرِ لاجواب
لاجواب و لاجواب و لاجواب و لاجواب

قطعات

جناح واقبال

خالقِ مُلکِ پاک را نعرۂ پیش رفت شُد
اصلِ وجودِ مُلک را خندۂ سرگذشت شُد

بزمِ خیال وخواب ہم مستِ مئے الست شُد
قائدِ ما جناحؒ را نغمۂ حق پرست شُد

علامہ اقبال

اقبال عکسِ ندرتِ اسلامیاں توئی
کیفیتِ گدازِ دلِ مشفقاں توئی

راہِ سلوک وتابِ رخِ مہ وشاں توئی
در قیل وقال جلوہ گہِ قدسیاں توئی

دلِ مومن

دلِ مومن کہ رازِ راحتِ ہر دو جہاں دارد
اصولِ فطرتِ محکم پیامِ مرسلاںؐ دارد

رموزِ عشقِ احمدؐ را ز دل خیزد بہ دل ریزد
حدیثِ رحمتِ عالم شعورِ داستاں دارد

سیّد محمد افضل و سیّد محمد احمد عظیم آبادی

صاحبِ حُبِّ العبا و اے سیّدِ افضل توئی
اے دوائے دردِ ما اے راحتِ مجمل توئی
اے عطائے زندگی اے احمدِ عالی مقام
مالکِ لطفِ فراواں صوفیِ اکمل توئی

بریگیڈیئر کلیم الدین صدّیقی مرحوم

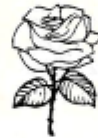
در مصافِ زندگانی آں کلیمِ باصفا
چوں شفق از رنگِ خود بہجت فزا و دلربا
بیکس و مجبور را خود دو ستدارِ زندگی
در فضائے خلد وارد یک مقامِ کیف زا

پروفیسر سید شمس الضّحیٰ مرحوم

(ش۔ ضحیٰ)

ادیب و شاعر و نقاد و نغمہ بار ضحیٰ
نفیس و نازک و حساس و بیقرار ضحیٰ
رموزِ بابِ محبت کشاد بر دل ہا
بلوچ[1] و سونٹ[2] و ہم چیلتن[3] نگار ضحیٰ

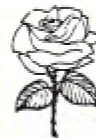
۱۔ "بلوچ" بہ ضرورتِ شعری مخفف برائے بلوچستان (پاکستان)۔
۲۔ "سونٹ" (SONNET) یک صنفِ شعر در زبانِ انگلیسی کہ ضحیٰ در اردو ہم استعمال کرد بہ کثرت۔
۳۔ "چیلتن" یک سلسلۂ کوہِ سیاہ گردِ کوئٹہ در بلوچستان (پاکستان)۔

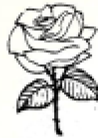


ڈاکٹر وگنر (Dr. WIGNER)

(یک سائنس دان عظیم در طبیعیات)
(در دانش گاہِ پرنسٹین - امریکہ)

آں وگنر کمال کہ آمد بہ علم راست
یک دولتِ عظیم کہ خود تحفۂ بہاست
فن را نمایاں کردہ طبیعیاتِ کائنات
نوبل انعام یافتہ نقشِ حسیں گزاشت

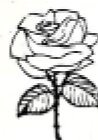




نگارِ علم

اے نگارِ علم تو رازِ دوامِ زندگی
تو بہارِ فیض گستر در نظامِ زندگی
ایں ترقی ایں تمدن کارہائے نازِ تو
چوں صباحِ نور پرور تو پیامِ زندگی





دُعا

یا الٰہی رحم کن بر شاعرِ رنگیں نوا
یا الٰہی کن عطا مقبولیت دیوان را
بر نثار[۱] و فہمی[۲] و بر نا قدانِ خیر خواہ[۳]
تو بدہ "اجرِ کثیرا" بہرِ نامِ مصطفیٰؐ

۱۔ نثار = حکیم نثار احمد علوی
۲۔ فہمی = ایوب فہمی
۳۔ خیر خواہ = جملہ معاونین و محبان و مددگار

سرِورق ، سعدیہ پبلیکیشنز



[624]
Zia, Abdul Q.
Persian Ghazal in Indo-Pakistan Environment, Essam Azimabadi; A Case Study., in, **"Proceedings of the Twelfth International Symposium on Asian Studies, 1990. Vol. II"** , Hong Kong: Asian Research Service, 1991, pp. 785-796.

[625]
Ziai, Hossein.
Hafez, Lisan al-Ghayb of Persian Poetic Wisdom., in, **" Gott ist schön und Er liebt die Schönheit. God is Beautiful and He loves Beauty. Festschrift für Annemarie Schimmel zum 7. April 1992. Festschrift in Honour of Annemarie Schimmel Presented on April 7, 1992/ dargebracht von Schülern, Freunden und Kollegen / Presented by Students, Friends and Collegues."**, Edited by Alma Giese and J.C. Burgel, Bern: Peter Lang, 1994, pp. 449-469.

(۷)

از محمد عصام عظیم آبادی

مثنوی کرائے پر سر لے

۱ وہ بستی تھی گویا شہابِ نظر — جسے لوگ لیتے تھے اک خوابِ گھر

۲ بہ دانش وری کا امام تھا بغداد کی — بہ فکر و نظر مثلِ شہزادوں کے

۳ جو کابل ہمدان، بلخ، تبریز ان — جو شیراز و لاہور و فرشیروان

۴ یہاں روز و شب علم کا تذکرہ — یہاں پیر و نوخیز نغمہ سرا

۵ زنخدانِ خندہ سخن آفتاب — زِ فیضِ طرب خود چمن ماہتاب

۶ وہ آموں کے باغوں میں سرمستیاں — وہ بالائی کے منظر کی بے کیفیاں

۷ وہ باغوں میں تالاب خلدِ نظر — شجرہائے سرسبز و شیریں ثمر

۸ وہ کشتی وہ پانی وہ بے تابیاں — شبِ ماہ کی تھیں وہ بے خوابیاں

۹ وہ لیلائے شب بال کھولے ہوئے — سخن در سخن کچھ نہ بولے ہوئے

۱۰ وہ سرسبز کھیتوں میں سرسوں کا رنگ — وہ زردی یہ سرخی وہ آپس میں جنگ

وہ لیلائے شب بال کھولے ہوئے — سحن در سحن کچھ نہ بولے ہوئے

۸ وہ سرسبز کھیتوں میں سرسوں کا رنگ — وہ زردی، یہ سرخی وہ آپس میں جنگ

۱۱ رضا باغ، گنبد کی رعنائیاں — وہ نصرہ کے کھیتوں کی شادابیاں

۱۲ خزانہ وہ پانی کا اک جھیل سا — روانی میں گویا تھا خود نیل سا

۱۳ وہ مسجد، وہ گنبد، وہ محراب و در — اذانیں، نمازیں، سحر تا سحر

۱۱ ڈیالڈاں کی اور وہ فتوحہ کی ریل — جو چلتی تھی چھک چھک ادھر ہوتی تھی فیل

۱۵ وہ اسکول چھوٹا سا زیرِ شجر — جہاں ہم نے کی خدمتِ ہر بشر

۱۶ زمینوں کا وہ سلسلہ دور تک — بہ حدِّ نظر سلسلہ دور تک

عطا کردہ جہانگیر شاہ جہاں — ملا منصب پنج ہزاری یہاں

۱۸ ہر عہدہ کے آگے وہ ہر کار رفت — علم سایہ افگن بہ سلطانِ وقت

۱۹ گرائی کی وہ پُرسرائے کی رات — خم و پیچ میں جیسے اُلفت کی گھات

۲۰ وہ رمضان کے اور وہ عیدوں کے دن — حسینوں کے وعدے وعیدوں کے دن

۲۱ ہر لغاتِ شیریں غنی شمس بھی — ہر علم و ادب صاحبِ درس بھی

۲۲ وہ ابدالی منزل کی رنگینیاں — وہ دعوت وہ شوکت وہ خوش فعلیاں

۲۳ نیا تھا مکاں اور نئی بات تھی — جہاں علم و دانش کی بارات تھی

۲۴ وہ احسن وہ افضل وہ احمد جناب — وہ اشرف وہ اسلم سبھی لاجواب

۲۵ امامِ قصی بھی امامِ عطا — امام ہیں مظہرِ اُختین و رضا

۲۶ رضامت کے منشی وہ پُرنور — وفا ہی وفا کے تھے جو تاج ور

۲۵ امام وصی بھی امام عطا — امام ہیں مظہرِ حُسین و رضا

۲۶ رضامت کے منشی وہ پیرِ پُرنور — وفا ہی وفا کے تھے جو تاج ور

۲۷ عمارت برندہ کی بالا بلند — وہ آبا کا ورثہ بہ تمامیت دو چند

امام وصی کا وہ جعفر کا گھر — وہ حیدر، وہ اختر، وہ قیصر کا گھر

۲۹ دلِ نغمہ آرا کے گویا ہیں — وہ نغمے، وہ لیتیں، وہ غزلِ حسین

۳۰ تھے اُستادِ یکتا بھی شخصِ غریب — حماقت کے پُتلے ظریف و عجیب

۳۱ وہ سنگلے صاحب، پیکرِ صدق و وفا — تھا بندہ و مگر مثلِ محبوبِ جیا

۳۴ طفیلِ شرافت بلا پیش و پس — وہ اک ڈاکٹر تھے مسیحا نفس

۳۳ انیس و امین و رضی اور تقی ۔ حمید و رشید و امین متقی

۳۴ وہ عبد الحئی اور لباب حنئ ۔ وہ دونوں کی شانیں الگ اور نئی

۳۵ سعید و امین و صبیح کاشفاں ۔ مسیح کی ذہانت کے نقش عیاں

۳۶ حفیظ و مظاہر بھی خورشید تھے ۔ مگر اطہر و کالو شہید تھے

۳۷ مجیبی و شطرنج کے اُف وہ کھیل ۔ وہ آپس کی بحثیں وہ آپس میں میل

۳۸ جو آتا تھا موسم وہ برسات کا ۔ تقاطر سے جل تھل وہ دوران زا

۳۹ وہ آموں کا لطف اور سیلاب بھی ۔ وہ نغمات باراں جگر تا بسار بھی

۴۰ وہ سردی میں سوئیٹر اور کوٹ بھی ۔ وہ یخنی وہ چائے وہ ڈبل روٹ بھی

۴۱ جو آئی تھی گری تو تالاب میں — وہ غوطے لگاتا سدا آب میں

۴۲ نشست صحن شب میں بیلے کے پھول — وہ شربت پھلوں کے بلطف قبول

۴۳ غرض کیا لکھوں میں وہ گاؤں تھا کیا؟ — عجیب و نجیب و عجب برملا

۴۴ یہی تھا عصامِ حزیں گاؤں وہ — بہارِ اثر بیز کا چھاؤں وہ

اشارات:

ع۱ ~~[illegible]~~ ہفتہ وار میلہ مویشیان
ع۲ علاقوں کے نام سید رضا باغ اور نصرہ
ع۳ خزانۂ آب۔ ع۴ نامہائے قصبات
ع۵ مخفف برائے برآمدہ یا وس
ع۶ نام قصبہ۔ کرائے پہ لگائے۔ ع۷ صاحبِ بنگلہ گماشتہ

محمد عصام عظیم آبادی
اے ۴۸۷ بلاک نمبر ۳
گلشنِ اقبال۔ کراچی۔ پاکستان

